رقاصہ

ضرورت ہے کہ ہر محفل میں یہ قصہ پڑھا جائے
نصیحت کی نصیحت ہی کہانی کی کہانی ہے؟

قیمت ۸ر

مصنفہ
اکبر حیدری

خلاصہ

ایک رئیس کا راہبر راہِ حقیقت کی جستجو کرنا۔ ایک گندم نما جو فروش "پیر کے ہاتھ پر بیعت۔ کم عمر حسین لڑکی کا پیر صاحب کے سامنے بے پردہ ہو کر بیعت کرنا۔ پیر صاحب کا باپ کو زہر دیکر لڑکی پر قابو حاصل کرنا۔ شراب پلا کر اس کی عصمت تباہ کرنا۔ دولت غصب کرنے کے لئے بہ جبر نکاح کرنا۔ لڑکی کا جوش انتقام سے اندھا ہو کر مریدوں سے اپنی عصمت تباہ کرانا۔ ایک مرید کے ہمراہ فراری۔ پیر صاحب کے در بدر رہ راہ لڑکی کا نان شبینہ سے محتاج ہو کر ایک طوائف کے قبضے میں آنا۔ نغمہ و سرود کی تعلیم حاصل کرنا۔ پیر صاحب کا جیل میں جانا۔ عورت کا تائب ہونا۔ طلاق حاصل کرنا اور اپنی ریاست کو دوبارہ حاصل کر کے نکاح ثانی کرنا۔

طابع و ناشر
قربان علی بسمل
نے
اپنے شاہجہانی پریس دہلی میں طبع کرا کے شائع کیا

۷۸۶

گذارش

کتنا تکلیف دہ ہے یہ خیال کہ آج ہمارے پیشوا۔ ہمارے دینی رہنما ہمیں برباد کر رہے ہیں۔ تباہی کی طرف لیے جا رہے ہیں "رقاصہ" کی سرگذشت جس قدر عبرت آموز ہو وہ کم ہے ایک معصوم لڑکی کا اپنے پیر کے ہاتھوں اپنی زندگی تباہ کرنا۔ کتنا عبرت ناک انجام ہے۔ شمس النہار بیگم اس فسانے کی ہیروئن زندہ اور سلامت موجود ہے جن حضرات کو اس افسانہ کی سچائی میں شک ہو وہ تحقیق کریں اور انشاء اللہ یہ تمام واقعات حرف بحرف صحیح نکلیں گے ضرورت ہے کہ مسلمان دور اندیشی سے کام لیکر اپنی آنے والی نسلوں کو تباہ اور برباد نہ کریں میرا مدعا نہ تو اس فسانے کی خوبیاں دکھانا ہے اس لیے کہ "مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید" نہ اپنی قابلیت کا اظہار مقصود ہے اس لیے صرف یہ لکھ کر اکتفا کرتا ہوں کہ یہ فسانہ جو "طریقت پیچ" دہلی کے صفحات پر شائع ہو چکا ہے اور جس میں طرز فسانہ انداز محض اختصار کی رعایت سے اختیار کیا گیا ہے غور سے پڑھا جائے اور وہ ضروری سبق حاصل کیا جائے جو قابل مصنف نے اس پردے میں ہمیں دیا ہے۔

نیازمند

قربان علی بسمل

اڈیٹر اردوئے معلی دہلی

دفتر اردوئے معلی دہلی

جولائی ۱۹۲۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً

رقاصہ

ایک طوائف کے نقطۂ نظر سے

ہم کون ہیں؟

رڈیارڈ کپلنگ نے یورپ کی مہذب دنیا کا مشہور شاعر ہمارے پیشہ کو "دنیا کا قدیم ترین پیشہ" یا "The oldest profession in the world" کہتا ہے اس میں شک نہیں۔ ہزاروں مقتدر رہنمایان قوم، ہزاروں علمائے ملک و ملت۔ ہزاروں بادشاہان ذی وقار، ہزاروں سلاطین جبار، ہزاروں ماشرع عالم پیدا ہوئے اور اپنی تمام کوششیں، تمام قوتیں، تمام محنتیں ہمارے استیصال پر صرف کرنے کے بعد ناشاد و نامراد ملک عدم کو سدھار گئے مگر ہم جہاں تھے وہیں رہے اور کیوں نہ رہتے؟ ہماری قربانیاں، ہمارا ایثار، ہماری نفس کشی آخر رائیگاں کیوں جاتی؟

تمام مہذب دنیا اور تمام طبقہ بھلا آج مہاتما گاندھی کی جے کے نعرے لگاتا ہے ہر [illegible] سے کہ گاندھی آج ہندوستان کا بہترین دماغ ہے۔ اس کے چرخے [illegible] نے [illegible] ہلا دیا۔ مگر [illegible] سے دیکھئے تو یہ پالیسی ہمارے فرقہ کی قدیم [illegible] ہے آج ہزاروں سال کے بعد ایک قابل قدر [illegible] پیدا ہوتا ہے اور

یہ خیال ظاہر کرتا ہے کہ چھوت چھات کا مسئلہ ہٹا کر بھنگی چمار کی تفریق مٹا دی جائے۔ ہم دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ تمام دُنیا میں یہ شرف جسے آج ترقی کا نشان کہا جاتا ہے ہمارے ہی فرقے کو حاصل ہے جس نے ہندو مسلمان بھنگی، چمار، شریف رذیل کی تفریق ہی نہ رکھی۔ اندھا دیکھا نہ کانا۔ گنجا دیکھا نہ بال والا۔ گورا دیکھا نہ کالا۔ جس تپاک سے بادشاہ سے ملے اُسی کو فقیر پر صرف کیا۔ جو دولت کسی سے کمائی کسی کو کھلا دی ہماری خوبیاں چشم بینا سے دیکھیے تو یقیناً ہمارے عیوب سے بدرجہا زیادہ ثابت ہوں گی۔ ہم انسان کی فطرتی ضروریات اس خوبی سے پوری کرتے ہیں کہ خاموشی بھی خاموش ہے۔ حسرت کو حیرت ہے کہ آخر ہم جوشِ شباب کا بلاٹنگ پیپر کیوں ہیں؟ نفس کشی کی تعلیم ہم سے بہتر کون دے سکتا ہے؟

تمام دُنیا کے کتب خانے دیکھ لیجیے۔ تمام مصنفین و الاتار کی تصانیف کا ملاحظہ کیجیے۔ مگر ناشکرے انسان کی ناشکری ہر جگہ جھلکتی ہوگی۔ وہ مصنفین جن پر ہمارے فرقے کے ناقابل فراموش احسان ہیں۔ ہماری مدح میں کچھ نہ لکھ سکے۔ دہلی کا قیام اور کانپور کی سکونت۔ حیدر آباد کی سیر اور بمبئی کا دورہ ہمارے لیے کچھ نہ لایا خدا بھلا کرے "ناطورۂ زر" کا جس نے "افسردہ انگور" کی رعایت کے لیے ہمیں انتخاب کیا۔ گو یہ ہمارے احسانات کا کافی معاوضہ نہ تھا خیر اب مجبور ہو کر اس زمانۂ جد و جہد میں جب تمام دُنیا زندگی کی کشمکش کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہی ہے۔ ہم بھی اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ اپنی متوکل ہم پیشہ ہستیوں کی زندگی کے لیے کد و کاوش کریں۔ صدائے احتجاج بلند کریں کیوں صاحب آپ لفظ "متوکل" پر کیوں ہنسے۔ کیا آپ کو ہمارے متوکل ہونے میں کچھ کلام ہے؟ توکل اور اس بلا کا توکل کہ ہم نہ کسی سے مانگنے جاتے ہیں نہ کسی کو بلاتے ہیں۔ نہ کسی کے سامنے دست طلب دراز کرتے ہیں اور پھر دیکھیے کیسی کیسی مقدس صورتیں نذرانہ پیش کرنے حاضر ہوتی ہیں۔ اگر آپ واقعی دیکھنا چاہتے ہیں تو ذرا راستہ سے یا ذرا

رات گئے چاوڑی کے کسی کوٹھے پر کھڑے ہو جائیے اور حدا سے زیادہ پردہ پوش اڑھیلی کی پردہ دری دیکھئے۔ رندوں کا تو ذکر ہی نہیں۔

جو حضرات میونسپلٹیوں اور انجمنوں میں بیٹھ بیٹھ کر ہمارے نکالنے کے منصوبے گھڑتے رہتے ہیں ذرا ان سے انصاف سے پوچھئے۔ یہ دعوائے اصلاح کے پردے میں جو کیا کرتے ہیں۔ ان کا مسلک آخر کیا ہے۔ ریزولیوشن پاس کرتے وقت زبان سے قطع نظر کرکے ان کا ضمیر کیا کہتا ہے۔ ان میں سے کتنے ایسے ہیں جن کی خشک رگوں میں ہمارا ایک ادنیٰ تبسم بھی رو دوڑانے سے قاصر رہتا ہے۔

مشرق اور مغرب کی دو مستند رائیں گاندھی کا فعل اور کپلنگ کا قول ہمارے زندہ رہنے کی بڑی زبردست شہادت ہے۔ ہمیں رہنا پڑے گا اور آپ کو رکھنا ہوگا جب ہم اُس وقت نہ مٹے جب اورنگ زیب جیسا پابند شرع بادشاہ برسر اقتدار تھا جس کی مغرور مگر رحم گردن ہماری سفارش میں محترم حافظ کا یہ شعر

در کوئے نیکنامی ما را گذر نہ دادند

گر تو نمی پسندی تغییر کن قضا را

شکر ختم ہو گئی تھی تو اب زمانۂ تہذیب و تمدن میں ہم کب مٹنے والے ہیں تہذیب بھی وہ تہذیب جس میں باپ بیٹی کی خلوت۔ ماں بیٹے کا بوس و کنار۔ بھائی بہن کی ہم آغوشی جائز اور روا رکھی جائے۔ تمدن بھی وہ تمدن جو حرام کی اولادوں کو قوم کی ملکیت قرار دے جس کی تعلیم یہ ہو کہ اگر عورت اپنا پیٹ بھرنے کو زنا کی مرتکب ہو تو سوسائٹی اُسے خارج نہیں کر سکتی اس لیے کہ یہ تجارت ہے اور تجارت ترقی کا زینہ ہے۔ اب تو آپ قائل ہوئے کہ ہمارا مٹانا ایک خام خیال ہے۔

ہم کیا کرتے ہیں؟

تعصب اور مذہب پرستی کا پردہ ذرا آنکھوں سے ہٹائیے۔ لاسین کانفرس میں

کرزن کی ریشہ دوانیاں اور لارڈ ہارڈنگ کا طرزِ عمل وغیرہ دیکھئے۔ فریب۔ جھوٹ دغا وغیرہ کبھی مذموم سمجھے جاتے ہوں گے۔ آج تو اس کا نام "پالیسی" ہے جب متمدن اور مہذب دنیا کا یہ طرزِ عمل ان کے لیے مذموم نہیں تو ہمارے لیے کس طرح مذموم ہو سکتا ہے۔ دیکھئے قائل ہو جاتیے ورنہ یاد رکھئے کہ میں فوراً یورپ چلی جاؤں گی میری ہرنی جیسی آنکھیں اور سفید تیلیھی رنگ سب مجھے ان میں ملا دے گا۔ اور ہندوستان ایک حسین "کلیوپیٹرا" کی ہستی سے محروم ہو جائے گا ۔

دیکھئے آپ گلاب کا پھول خریدیے۔ زیادہ سے زیادہ دو پیسے کو ملے گا کسی کامل کاریگر کو دکھا کر کہیئے ایک نقلی پھول ایسا ہی بنا دے۔ وہ بنا دے گا مگر فرمائیے کہ اس نقلی پھول کی قیمت کیا ہوگی کم از کم دو پیسے تو ہوگی۔ پس آپ کو ماننا پڑے گا کہ ہمارا "ایکٹ" بہت ہی مشکل ہے عشق و محبت کا "پارٹ" کرنا اور ایک ایک نکتے کا ادا کرنا کمال ہے مصنوعی محبت کو اصلیت کا جامہ پہنانا کرامات ہے۔ ہمیں اپنے اس "پارٹ" کی تکمیل پر ناز ہے۔ آپ کو اعتبار نہ آئے تو کسی رئیس سے جو اُن مان سٹیہ کے لیے محتاج ہو۔ پوچھ لیجئے تصدیق کرے گا ۔

ہر تصویر کے دو رُخ ہوتے ہیں چشم بینا کے لیے ہر رخ ایک عبرت ہے۔ بجائے خود دوربین نگاہیں جب آئینے کے روشن اور شفاف پہلو پر پڑتی ہیں تو ساتھ ہی ان کے ذہن اُس کی پشت اور سیاہ حصے کو نظر انداز نہیں کرتے بلکہ وہ سمجھتے ہیں کہ اس چمک اور تجلی کا پیدا کرنے والا وہی سیاہ حصہ ہے۔ بہت ممکن ہے کہ ہماری اس بیدردی مکاری میں نکوکاری کا بھی کوئی پہلو ہو۔ جامی کہتا ہے ؎

پیش نہ رسے جا حسنہ گفتہ مستی | ارچہ گذشتہ وہ شتر ہیو ستی
رن گفت مں آنچہ کرمی بمائم ہسم | تو نیز چنیاں کہ می نمائی ہستی

شیطان کو ملعون اور مردود قرار دینا آسان ہے۔ اُسکا سجدہ نہ کرنا ہی اُسکی محویت

اور مردودیت کا پیش خیمہ ہوا۔ غور کیجیے اُس کی محبت اُسکا ایثار، اس کی اطاعت کا معیار کیا ہوگا۔ اس سے بڑھکر اُس کی محبت کیا ہوگی کہ ذاتِ واحد کے سوا دوسرے کو سجدہ نہ کیا۔ مردود اور ملعون بننا گوارا کیا۔ بس آپ کو ماننا پڑے گا کہ دُنیا چلانے کے لیے شیطان کا ملعون بننا لازمی تھا۔

گناہ کا موجد شیطان ہے۔ اور یہی گناہ دُنیا کی آفرینش کا باعث ہوا نتیجہ یہ ہوا کہ گناہ کا دوسرا نام دنیا ہے۔ جو لوگ دنیا سے گناہ مٹانا چاہتے ہیں۔ وہ درحقیقت دنیا کے دشمن ہیں گناہ دنیا کی جان ہے۔ اگر گناہ مٹ گیا تو گویا جان نکل گئی بے جان جسم ناکارہ ہے اگر آپ غور سے دیکھیں گے تو آجکل انہی قوموں کو حکمراں پائیں گے جو گناہ میں ڈوبی ہوئی ہیں۔ مسلمانوں سے زیادہ بہادر اور شجاع کسی دوسری قوم کو میسر نہ ہوئے۔ ان کے زمانے میں روحانی ترقی اپنے عروج پر پہنچ گئی مگر دنیاوی ترقیاں معدوم رہیں۔

آج دیکھیے دنیا کہاں ہے اور دُنیاوی ترقیاں کہاں۔ یہ سب گناہوں کا نتیجہ ہیں گناہ کے ممنوع ہونے نے گناہ کی دلچسپی میں اور اضافہ کر دیا۔

گناہ کی اہمیت کا اندازہ رحمت کی وسیع پردہ پوشیوں سے کیجیے حضرتِ زاہد جنت کا بیمہ کرالیں جنت اپنی جاگیر قرار دیں مگر خدا کا دیدار اور رسول کی شفاعت سے محروم رہیں گے۔ زُاہد ملے نہ خدا عادلِ حقیقی اور منصفِ برحق رسول ضامنِ بخشش اور وکیلِ شفاعت۔ مگر کن کے لیے مجرموں کے لیے گناہ گاروں کے لیے۔ گناہگار ہی اُس کے سامنے پیش ہوں گے گناہگاروں کی شفاعت کی جائے گی۔ یہ لطفِ دیدار یہ کیفِ مسرت۔ زاہدِ خشک کو نصیب کہاں۔

انصاف کیجیے۔ سیہ کاروں گناہگاروں کے لیے کتنے پیغمبر کتنے نبی کتنے ولی پیدا ہوئے حضرتِ زاہد کے لیے کون آیا۔ حافظ فرماتے ہیں ؎

نصیب ماست بہشت اے خدا شناس برو

کہ مستحق کرامت گنہ گاران اند

دنیا کی کسی مخلوق کو بے ضرورت یا بے وجہ سمجھنا حضرت زاہد کا حصہ ہے اور انہیں کو مبارک رہے ہمیں نہ اس کی تمنا ہے نہ ضرورت دنیا کے قدیم ترین پیشے سے تعلق رکھنے والی گنہگار ہستی کو یہ حق حاصل ہی نہیں۔ جب یہ ثابت ہو چکا کہ ہم مٹانے والوں کی مسلسل کوششوں کے باوجود آج صفحۂ ہستی پر قایم ہیں تو یہ ماننا پڑے گا کہ ہمارا رہنا غالباً دنیا کے لیے اتنا ہی ضروری ہے جتنا شیطان کا ملعون اور مردود ہونا۔ ہم ہی وہ ہستی ہیں جو حق و باطل کی تمیز صحیح معنوں میں سمجھا دیتے ہیں۔ حضرت زاہد کے مرید اُن کی زبانی تعلیم کے باوجود ان مراحل کو طے نہیں کر سکتے جو ہم عملی طور سے سکھا دیتے ہیں ایک شخص سے آپ ہزار دفعہ کہیے کہ اپنی بیوی سے محبت کرے اُس کے جذبات کا احترام کرے اُس کی عصمت مآبی کی قدر کرے وغیرہ وغیرہ مگر یاد رکھیے نتیجہ کچھ نہ ہوگا برخلاف اس کے ہم دو چار گالیاں دیکر ذرا ترشروئی سے اپنے کوٹھے سے نکلوا دیں تو پھر دیکھیے جا کر کس محبت سے اپنی بیوی کو سینے سے لگاتا ہے۔ اُس کی معصومیت کی قدر کرتا ہے۔

ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ انسان کو شیطان اور شیطان کو فرشتہ بنا دینا ہمارا ادنیٰ کام ہے اس کی تشریح یہ ہے کہ جس سے مل لیے وہ انسانیت کے شریفانہ معیار سے گر کر شیطان بن گیا اور جس سے نہ ملے وہ ہماری یاد میں روتے روتے ہمارے عشق میں فنا ہو کر خدا کا ہو گیا۔

حسن کے فانی ہونے کا عملی ثبوت ہماری ذات سے بہتر کون دے سکتا ہے جب ہمارا جسم حسن کی قیام گاہ ہوتا ہے تو کچھ نہ پوچھیے کس قدر ہوس پرست ہستیاں پروانہ وار ہمارے شمع رخسار پر جان دینے کے لیے آمادہ و بے اختیار نظر آتی ہیں۔

پہلا باب

گناہ کی آفرینش دنیا کے ساتھ ساتھ ہوئی۔ بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ دنیا کی ہستی کا باعث ہی گناہ ہے۔ اگر حضرت آدم گناہ نہ کرتے تو .. خدا جانے کیا ہوتا
انسان کی فطرت گناہ پسند فطرت ایک ایسا ثابت ہے جس کی تکمیل نہ صرف حالاتِ گناہ ہی سے ہوتی ہے بلکہ جو اپنی تکمیل مذہب اور تقدس کے مقدس پردے میں بھی کر ہی لیتا ہے بلکہ امر واقع یہ ہے کہ گناہ وہ وہ مقدس صورتیں اختیار کرتا ہے کہ تشریح تحصیل حاصل گناہ کی اہمیت کا قائل نہ ہونا ایک گناہ ہے بجائے خود۔

"گناہ کیا ہے" اور گناہ "کس کو کہتے ہیں۔ یہ ایک ایسا سوال ہے کہ جس کا جواب میرے امکان سے باہر ہے، مذہب اور تعلیم مذہب سے قطع نظر کرکے گناہ نام ہے اُن افعال کا جن پر آپ کا ضمیر آپ کو ملامت کرتا ہے۔ خواہ یہ ملامت راسخ الاعتقادی پر مبنی ہو یا مذہب پرستی پر۔ کون کہہ سکتا ہے کہ مہذب یورپ متمدن یورپ تثلیث پرست یورپ باوجود مدعی تثلیث ہونے کے کہاں تک تعلیم تثلیث کا پیرو ہے جن افعال حامل تثلیث نے ناجائز اور مردود قرار دیے وہی آجکل یورپ کا طرۂ امتیاز تمغۂ تمدن اور طرۂ تہذیب ہیں اور یہ سب حرکات شنیعہ (بقول تثلیث) گناہ نہیں سمجھے جاتے جس کی وجہ صرف اور صرف یہ ہے کہ یورپ ان کو گناہ نہیں سمجھتا اور یورپین ضمیر ان پر ملامت نہیں کرتا پس قائل ہونا پڑا کہ "گناہ" نام ہے ان حرکات کا جن پر ضمیر کی آواز صدائے احتجاج بلند کرے۔

میرے محترم ناظرین اس محدود مگر مخصوص تعارف کے بعد میں اپنی ذاتی سرگذشت ایک دلچسپ پیرائے میں ان صفحات میں قلمبند کرنے کی کوشش کرتی ہوں اگر میری فطری کمزوریاں کسی طرح آپ کی دلچسپیوں کے لیے سدِ راہ ہوں تو مجھے معذور سمجھیں۔

میں اپنی گنہگار زندگی کے ناقابلِ برداشت بار سے ایک حد تک سبک ہو سکتی ہوں اگر آپ میرے واقعات سے عبرت حاصل کریں۔

میرے والد "سلیم آباد" کے ایک بڑے اور صاحب رسوخ زمیندار تھے میری والدہ مجھے زندگی کی ابتدائی منازل میں چھوڑ کر راہیٔ ملک بقا ہو چکی تھیں، میرے عزیز و اقارب ابتک "سلیم آباد" کے معزز ترین ارکان میں شمار ہوتے ہیں۔ مذہب پرست اور نہایت دیندار ہونے کے علاوہ میرے والد اوّل درجے کے پیر پرست بھی تھے متبرک اور مقدس مقامات کی زیارت ان کی زندگی کا اہم ترین مقصد تھا، ان کی عمر کا بہترین حصہ "راہبر راہِ حقیقت" کی جستجو میں گذرا۔ ایک عمر کی تلاش اور جستجو کا نتیجہ یہ نکلا کہ دہلی کے مشہور بزرگ "شاہ۔صاحب" کے ہاتھ پر بیعت کرلی اور "فنا فی الشیخ" ہوگئے۔ "شاہ صاحب" اکثر ہمارے مہمان رہتے اکثر میرے والد ان کے ہمراہ سفر پر جاتے۔

بچپن اور تعلیم و تربیت کے منازل اچھی طرح طے نہ کرنے پائی تھی کہ میرے عزیز اور محترم چچا کا انتقال ہوگیا۔ اس صدمۂ جانکاہ نے ایک طرف تو میرے والد کی صحت پر نمایاں اثر کرکے انہیں پھر انتظام ریاست اپنے ہاتھ میں لینے پر مجبور کیا دوسری طرف "افکار خانہ داری" میرے سپرد ہوا۔

"شاہ صاحب" مجھے ہمیشہ بیٹی کہا کرتے تھے اور ہر طرح والد کی طرح میری دلجوئی اور مدارات کرتے۔ مذہبی تعلیم دیتے، نکوکاری اور نیکی کی تلقین کرتے۔ آخر والد صاحب کے ایما سے میں نے بھی شاہ صاحب کے ہاتھ پر عین اسوقت جبکہ میرا شباب تھا بیعت کرلی شاہ صاحب دہلی چلے آئے اور دو سال تک خدا ہی جانے کن الجھنوں میں رہے کہ سلیم آباد نہ جاسکے۔ اسی عرصہ میں میرے والد کی صحت اتنی خراب ہوئی کہ انہیں مجبوراً اسی دمۂ دار کو ایک ادھیڑ صاحب کے سپرد کرکے خود علاج کے لیے دہلی آنا پڑا۔ یہ ادھیڑ صاحب

بھی شاہ صاحب کے مرید اور آوردہ تھے۔

شاہ صاحب نے ہمارے لیے ایک نہایت وسیع اور شاندار مکان کا انتظام کر رکھا تھا۔ میں اور والد صاحب دونوں ایک دن صبح کو دہلی پہنچے۔ میں اپنے ہوش میں پہلی دفعہ دہلی آئی تھی۔ اس جگہ کی رعنائیاں میری دلچسپی کے لیے بہت تھیں۔ تمام نوکروں کا انتظام بھی شاہ صاحب ہی نے کیا تھا۔ شاہ صاحب ہی کے مشورے سے ایک ڈاکٹر صاحب کا علاج شروع ہوا۔ اور میرے والد کی حالت روزانہ خراب ہوتی گئی۔ بخار ہر وقت رہنے لگا اور نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے اپنا وصیت نامہ رجسٹری کرا دیا۔ تمام جائداد کا مالک مجھے قرار دیا اور شاہ صاحب کو میرا ولی مقرر کیا۔ میری شادی کے تمام اختیارات شاہ صاحب کو دیے گئے۔

ایک شب کو ناگہاں میرے والد کی پسلی میں شدید درد شروع ہوا۔ ڈاکٹر صاحب بلائے گئے اور انہوں نے پینے اور ملنے کے لیے دوا دی۔ شاہ صاحب دونوں شیشیاں لائے اور مجھے تاکید کر کے کہ "جب یہ جاگیں تو یہ دوا پلا دینا" چلے گئے۔ میں نے ان کی ہدایت پر عمل کیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ رات کو تین بجے ان کا طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اسی وقت شاہ صاحب تشریف لائے۔ پہلے میرے والد کے کمرے میں گئے، ادھر ادھر دیکھا اور فوراً دوا کی دونوں شیشیاں اٹھا کر دوسرے کمرے میں لے گئے اور مجھے بلا کر کہنے لگے "کمبخت تو نے اپنے باپ کو زہر دیدیا۔ اس شیشی میں ملنے کی دوا تھی پلانے کی نہیں" میں [illegible] [illegible] عالم میں گرفتار تھی یہ سنکر حیرت زدہ سی رہ گئی۔ شاہ صاحب نے کہا کہ میں پولیس کو بلاتا ہوں اور تجھے گرفتار کراتا ہوں۔ پولیس کا نام سنکر میرے رہے سہے ہوش و حواس بھی گم ہوگئے۔ اور ان کے قدموں پر گر پڑی آخر بہزار منت شاہ صاحب اس بات پر راضی ہوئے کہ میں ایک تحریر ان کو لکھ کر دیدوں

کہ "میں نے اپنے باپ کو زہر دیا ہے" میں نے اضطراب اور بے کسی کی حالت میں یہ بھی منظور کیا اور انہوں نے کاغذ قلم وغیرہ مہیا کر کے مجھ سے ایک تحریر لکھوائی۔ مجھے نہیں معلوم میں نے اس تحریر میں کیا کیا لکھا۔ غرض جو کچھ انہوں نے لکھوایا لکھ دیا"

دوسرا باب

والد صاحب کے انتقال کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ مجھے شاہ صاحب کی نگرانی میں اپنے اوقات گزارنے پڑے۔ جو مکان میرے والد کے لیے کرایہ پر لیا گیا تھا وہی ہمارا مسکن رہا، شاہ صاحب اُسی میں چلے آئے اب اس شخص کی زندگی کا دوسرا رُخ مجھ پر ظاہر ہونے لگا میرے تخیل نے میری رہنمائی کی اور میرا خیال روزانہ مشاہدات سے متاثر ہو کر یقین کی صورت اختیار کرنے لگا۔ میں شاہ صاحب کو اپنے والد کا قاتل سمجھنے لگی۔ میرا خلوص اور عقیدت نفرت اور حقارت کی صورت میں تبدیل ہو گیا۔ میری بے کسی اور مجبوری ہی تھی کہ میں بادلِ ناخواستہ اس شخص کی نگرانی میں مقید ہو کر رہی میرا عورت ہونا میری سب سے بڑی کمزوری تھی۔ میں نے ارادہ کیا کہ کسی دن اس حبس سے نجات پانے کے لیے خاموشی سے غائب ہو جاؤں مگر سوال یہ تھا کہ "جاؤں کہاں"!

میں انہی تفکرات میں غلطاں و پیچاں اپنی نامراد زندگی کے مضطرب دن گزار رہی تھی کہ ایک دن شاہ صاحب نے بڑی لمبی چوڑی تمہید میں نکاح کے فضائل اور خوبیاں میرے سامنے پیش کیں اور اس کی اتنی دلچسپ رنگین تصویر میرے سامنے پیش کی اور میں اس سے متاثر بھی ہوئی مگر میرے تمام تاثرات خاک میں مل گئے جب اس شخص نے اپنے آپ کو میرے ہونے والے شوہر کی شخصیت میں پیش کیا۔ میں نے اس کی تجاویز کو نہایت حقارت سے ٹھکرا دیا اور صاف صاف اپنی نفرت کا اظہار کر دیا۔ اپنی خوشامدانہ اور

محبت آمیز گفتگو کا یہ حقارت آمیز جواب سُنکر یہ کمینہ شخص گالیوں اور مار پیٹ پر اُتر آیا مجھے دھمکیاں دیں کہ اگر "میری رضامندی اور مرضی کے خلاف رہنا چاہتی ہے تو تمام جائداد سے ہاتھ دھو بیٹھ اور قید خانہ جانے کے لیے تیار ہو جا، تو نے اپنے باپ کو زہر دیا ہے تاکہ اُس کی جائداد اور روپے پر قابض ہو جائے۔ میرے پاس تیری تحریر موجود ہے" ؛

یہ سب سُنکر میری جو حالت ہوئی اُس کا اندازہ کچھ وہی لگا سکتے ہیں جو اپنی معصومیت کے باوجود اس قسم کی عیاریوں کا شکار رہ چکے ہیں ؛

"شاہ صاحب" کا غصہ رنگ لایا اور میں ایک کمرہ میں "دیوانہ" سا کر قید کر دی گئی، ایک مخصوص خادمہ کے سوا اور کسی کو مجھ سے بات کرنے کی یا میرے پاس آنے کی اجازت نہ تھی۔ اس خادمہ کا سب سے بڑا فرض میرے خیالات کی اصلاح تھی۔ مگر اس کی ہر وقت کی گفتگو میرے تنفر کو مستحکم اور مجھے راسخ الاعتقاد بنانے میں کامیاب ہوئی ؛

میرا تمام وقت نہایت کرب اور بیچینی سے گزرتا۔ میں رو رو کر درگاہ خداوندی میں دُعائیں مانگتی، نمازیں پڑھ پڑھ کر خدا کو اپنی امداد کے لیے بلاتی ایک دن حسب معمول عشا کی نماز پڑھی اور اسی حالت میں جانماز پر لیٹ گئی، نیند آ گئی اور میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے والد میرے سامنے کھڑے رو رہے ہیں۔ میں دیوانہ وار جھپٹی کہ اُن سے لپٹ جاؤں مگر اُنھوں نے مجھے ہٹا دیا اور فرمانے لگے "میری بدنصیب بیٹی۔ میرے تغافل نے، میری غفلت نے تیری زندگی خراب کر دی، میں نے دیدہ و دانستہ تجھے ایسی بلاؤں کا شکار بنا دیا، جا اور صبر و شکر کے ساتھ اپنی مصیبتوں کو برداشت کر"!

میں یہ سُنکر ایک چیخ مار کر روئی مگر میری آنکھ کھل گئی۔ جاگنے پر میں نے دیکھا کہ آنسو میری آنکھ میں موجود ہیں اور گھبرائی ہوئی خادمہ اپنی نیند سے چونک کر اُٹھ بیٹھی ہے ؛

میں اٹھکر اپنے بستر پر جا لیٹی اور کروٹیں لیکر تمام رات گزار دی۔ صبح کو نماز پڑھکر بیٹھی تھی کہ "شاہ صاحب" آئے اُن کے ہاتھ میں ایک بوتل تھی جس میں سُنہرے رنگ کی کوئی چیز بھری تھی اور اُس کا رنگ بہت کچھ اُس زہر سے ملتا تھا جو میرے باپ کو میری معرفت پلوایا گیا تھا میں خوش ہوئی کہ یہ کمبخت میری طرف سے مایوس ہو کر مجھے بھی زہر دینا چاہتا ہے تاکہ بہ اطمینان میری دولت پر قابض ہو۔ میں زندگی سے پہلے ہی بیزار تھی اور موت کی اس دلفریب صورت کو "لبیک" کہنے کے لیے تیار ہو گئی۔

وہ "مردود" میرے نزدیک میرے پلنگ پر بیٹھ گیا اور کہنے لگا "شمس النہار بیگم آخر تم اپنی نادانیاں اور کوتاہ اندیشیاں کب چھوڑو گی، ذرا آئینہ منگا کر دیکھو کہ تم نے اپنی حالت کیا بنالی ہے۔ اس سے قطع نظر کرکے کہ تم اپنے باپ کی قاتل ہو میں تمہارے باپ کی وجہ سے تمہارے ساتھ مہربانیاں کر رہا ہوں اور تم میری مہربانیوں کا جواب ان ناشکری سے دے رہی ہو۔ نہیں معلوم نہیں کہ تمہاری موت اور زندگی میرے قبضے میں ہے، اگر زندہ رہنا چاہتی ہو تو میرا کہا مان لو۔"

یہ الفاظ سُنکر مجھ سے صبر نہ ہو سکا اور میں نے نہایت مغرور الفاظ میں جواب دیا "میری زندگی تمہارے قبضہ میں نہیں میری موت بے شک تمہارے ہاتھ ہے۔ اگر تم مجھے بھی یہ زہر پلانا چاہتے ہو تو بسم اللہ میں مرنے کو تیار ہوں!"

یہ جواب سُنکر وہ مُسکرایا، اور کہنے لگا "اگر سچ کہتی ہو تو اس بوتل میں سے ایک گلاس بھر کر پی لو اور تمہاری تمام تکالیف کا خاتمہ ہو جائے گا" یہ کہکر اُس نے بوتل کھولی اور ایک گلاس بھر کر مجھے دیدیا۔ میں نے بے تامل ہاتھ بڑھایا اور پینے کے لیے مُنہ تک لے گئی۔ مگر اُس کی ناقابل برداشت بدبو نے میرے دماغ کو پریشان کر دیا۔ اور میں رُک گئی وہ بے ایمان پھر مُسکرایا اور کہا "کیوں رُک کیوں گئیں۔ جان بہت پیاری ہے؟" اس فقرے نے تازیانے کا کام کیا اور میں اس بدبودار اور تلخ شربت کو بے تکلف پی

گئی۔ میرا سر چکرانے لگا اور آنکھیں بند ہونے لگیں۔ میں کلمہ پڑھنے لگی اور بستر پر دراز ہو کر دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گئی۔

خدا جانے میں کب تک بیہوش پڑی رہی جب ہوش آیا تو میں نے اپنے آپ کو "شاہ صاحب" کے بستر پر "برہنہ" پایا۔ ابھی اچھی طرح اس معمہ کو حل نہ کرنے پائی تھی کہ اُس مردود نے مسکراتے ہوئے ایک اور گلاس مجھے زبردستی پلا دیا، اور میں پھر اپنے ہوش و حواس کھو کر بے خبر ہو گئی۔

تیسرا باب

ایک معصوم اور ناکردہ گناہ کی عصمت کا برباد ہو جانا اور وہ بھی اس فریب سے۔ ایک ناقابل برداشت صدمہ تھا اس واقعہ کے بعد ہی میرے خیالات تبدیل ہو گئے میری تمام زندگی۔ جرأت شکنی اور میں انتقام۔

انصاف اور قانون دو متضاد چیزیں ہیں قانون۔ موجودہ قانون کا منشا انصاف نہیں بلکہ خلق خدا کی اس شقی القلب قوم کو فائدہ پہنچاتا ہے جو عملہ کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔ انصاف کی امداد اُن سے اور صرف اُن کے لیے ہے جو خود جرائم پیشہ اور اوباش اور آوارہ گروہ سے تعلق رکھتے ہیں شریف اور شرافت پرست فرقہ ہمیشہ اس کے حصول سے نامراد ہی رہا۔

میرے لیے اپنے "الزام کی" اہمیت کو زائل کرنا ناممکن تھا میں نے اپنی تحریر میں اپنا مجرم ہونا مان لیا تھا۔ اور وہ تحریر اُس مردود کے قبضے میں تھی اس تحریر کے ظاہر کر دینے کی دھمکیاں ہر وقت دی جاتی تھیں۔ میری زندگی گناہ سے آلودہ ہونے کے بعد اس قابل نہ رہی تھی۔ کہ میں خودکشی کا خیال بھی کرتی۔ اب میری زندگی کا مقصد ایک اور صرف ایک تھا۔ اور وہ یہ تھا کہ اپنے باپ کی موت کا اور اپنی عصمت دری

کا انتقام لوں۔

اس واقعہ کے بعد میں نکاح پر مجبوراً رضامند ہو گئی۔ ہم دونوں کا نقطہ نظر ایک دوسرے کے خلاف تھا وہ مجھ سے نکاح کر کے میری دولت پر قابض ہونا چاہتا تھا اور میں اپنے انتقام کے حصول میں کوشاں تھی۔

اب مجھے معلوم ہوا کہ یہ شخص اول درجہ کا اوباش ہے۔ شراب خواری۔ زنا اغلام اس کی بدعادتوں میں معمولی اہمیت رکھتے ہیں۔ مگر یہ تمام بدکاریاں اس کی زندگی کا اندرونی رُخ ہیں۔ بیرونی وہی پیری مریدی ہے۔ جس کا تذکرہ کر چکی ہوں۔

اب میں نے اس کے خاندانی حالات معلوم کرنے شروع کیے۔ معلوم ہوا کہ وہ اصل میں ستھار نگر کا رہنے والا ہے۔ اس کا والد ایک متوسط درجہ کا موذن تھا اور مسجد کی روٹیوں پر گذارہ کرتا تھا۔ صاحبزادے بچپن ہی سے ماں باپ سے متنفر تھے۔ باپ کے مرجانے کے بعد ان کی والدہ ایک پیر صاحب کے ہاں روٹیاں پکاتی تھیں اور صاحبزادے پیر جی کے بچوں کو کھلایا کرتے۔ یہ پیر صاحب شریف کے خلیفہ تھے اور جہاں تک مجھے علم ہوا ہے ان کا نام مظہر اللہ شاہ صاحب ہے میں نے پیر صاحب کو مدات خود کبھی نہیں دیکھا مگر ان کے متعلق یہ علم ضرور ہوا کہ وہ بیچارے نہایت نیک اور صحیح معنوں میں اپنے نام کی رعایت سے صوفی تھے۔

مردود النفس کے سایہ عاطفت میں پلکر جوان ہوا اور رفتہ رفتہ اپنی فطری دیانت مکاری اور عیاری کی امداد سے پیری مریدی کے تمام ظاہری منازل طے کر گیا اور پیر صاحب کے متعلق غلط افواہیں مشہور کرنے لگا۔ کچھ تو پیر صاحب نے اسے راہ راست پر لانے کے خیال سے اور کچھ خود کو اس کے شر سے محفوظ رکھنے کے لیے اسے اپنا مرید کر لیا اور اس کی عیاریوں سے محفوظ رہنے کے لیے اسے خلافت کا نام دے کر خطاب دیکر ستھار نگر سے دہلی بغرض تبلیغ و اشاعت بھیجدیا۔

یہاں اسے خاص کامیابی ہوئی اور اپنی ریاکاری کی بدولت خلق خدا کو گمراہ کرنا اس کی تبلیغ کا اہم ترین فرض قرار پایا۔

چوتھا باب

نکاح کے بعد میرے خیالات تمام بدل گئے مجھے دینداری سے نفرت ہو گئی میرے دیک ریاکاری کا دوسرا نام پاکباری تھا۔ دغا فریب۔ جھوٹ نے مجھ پر فتح پائی تھی میری عصمت کی تباہی انہیں ہتیاروں سے کی گئی تھی اور اس میں انکی قائل تھی۔

شاہ صاحب نے بڑی منتوں اور خوشامدوں سے مجھے شراب پلانی شروع کی اور اب میری یہ حالت ہونے لگی کہ اگر شراب نہ ملتی تو میری جسمانی حالت نہایت تکلیف دہ ہو جاتی۔ اعصاب شکنی ایک لمحے کے لیے بھی آرام سے نہ بیٹھنے دیتی۔

میرے معصوم باپ کی گاڑھے پسینے کی کمائی بیدریغ حرام کاریوں پر صرف ہوتی رنڈیاں بے تکلف مکان کے اندر آتیں شاہ صاحب کے سامنے سجدے کرتیں، اُن کے ہاتھوں کو بوسہ دیتیں گنڈے اور تعویذوں کی طالب ہوتیں معقول نذرانہ پیش کرتیں اور میں اس گندم نمائی اور جو فروشی پر کڑھتی۔ آٹھ آٹھ آنسو روتی مگر نتیجہ کچھ نہ تھا۔

بدنصیب شریف زادیاں زمانے کی دستبرد کے ہاتھوں اپنی عقیدت مندی کے طفیل مذہب پرست دیوانی بن کر اس شیطان مجسم سے روحانی امداد کی طالب ہوتیں۔ نوجوان حسین لڑکیاں بے تکلف اس حرام کار اور ہوس پرست کتے کے سامنے پیش کی جاتیں اور گذارش کی جاتی بر نہیں ملتا۔ کہیں تقدیر ہی نہیں کھلتی" کوئی لڑکا کام کا نہیں۔ آپ کی نظرِ توجہ سے اس کی قسمت کھل جائے کوئی تعویذ عنایت کیجئے۔

بھولی بھالی مارک اندام عورتیں ایسی جاہل ماؤں کی معیت میں آتیں اور ان کے دکھ درد کا اظہار ان الفاظ میں ہوتا "حضور خاوند بات نہیں کرتا۔ نابکار والیوں کے پیچھے پھرتا ہے، رات رات بھر دن دن بھر غائب رہتا ہے۔ کبھی آتا ہے تو مار پیٹ اور گالی گلوچ کرتا ہے۔ کوئی ایسا تعویذ عنایت کیجیے کہ اس کا دل مل جائے"۔

ہزاروں اس تمنا اور مراد سے آتیں حضور شادی کو آٹھ سال ہو گئے مگر بچہ نہیں ہوا کوئی ایسا تعویذ عنایت فرمایئے کہ ان کی یہ نحوست دور ہو۔

ان تمام درخواستوں کو سننے کے وقت ایسے تمام تعویذوں کی تحریر کے موقع پر اس سے ایمان کا فقیرانہ وقار مولویانہ انداز دید کے قابل ہوتا۔ اس کی چکنی باتیں اس کے فرضی افسانے اور اس کی خودداری دیکھنے کے قابل ہوتی اس انسانی فطرت کے مصور کو انسانی کمزوریوں سے فائدہ اٹھاتے دیکھا جائے خود ایک تماشا تھا۔

ہر قوم اور ہر مذہب کے پیرو اس کی ریاکاری کے جال میں پھنستے اور اس کی گناہگاری کا شکار ہوتے راہزن کو راہنما سمجھتے اور اپنی متاع حیات کا بہترین سرمایہ اس کی نذر کر جاتے۔

میری نفرت میرا جذبۂ انتقام روزانہ مشاہدات سے بھڑک اٹھتا مگر میں اسے برداشت کرتی اور کوئی بات ایسی نہ کرتی جس سے اسے کوئی شک کا موقع ملتا میں ان آنے جانے والی عورتوں سے بخندہ پیشانی ملتی اور ان کی خوشامدوں سے مسرور ہو کر اس بھیڑ دل کے پردے میں رہنے والے بھیڑیے سے ان کی سفارش کرتی حصول مدعا کے لیے دعائیں کرتی۔

اپنے مدعا کی تکمیل کے لیے اپنے منصوبوں کے سرانجام دینے کے لیے اور اپنی کارروائیوں کو بار آور دیکھنے کے لیے مجھے ایک ایسے شخص کی تلاش تھی جو میرا مشیر اور رازدار ہو سکے مگر باوجود کوشش اور تلاش کوئی نہ ملا۔ ملازمین میں سے کوئی

اس قابل ہی نہ تھا اس لیے میری تلاش مریدین اور مسترشدین کے حلقہ کی طرف متوجہ ہوئی اور میں نے ایک شخص عبدالرحیم نامی کو انتخاب کیا یہ شخص نوعمر بیوقوف تھا اور بزعم خود اپنے آپ کو عقلمند اور خوبصورت سمجھتا تھا شاہ صاحب کو اس شخص پر کافی سے زیادہ اعتماد تھا اور اکثر خانہ داری کی ضرورتیں اس کے سپرد ہوتیں بازار سے تمام سودا اسی کی معرفت آتا مجھے اس کی نیازمندی کے پردے میں مطمع رزا نظر آئی اور میں نے اسی پر فتح پانے کا مستقل ارادہ کر لیا اور اپنے فقروں اور الفاظ کو کارگر بنانے کے لیے میں پردے کی آڑ میں رہ کر کبھی کبھی اپنے حسن کی تجلی اپنی نسائیت کا کمزور ترین رُخ اُسے دکھانے لگی۔ نتیجہ خاطر خواہ ہوا اور وہ میری طرف دیوانہ وار کھینچنے لگا ۔

ایک دن جب میں نے اسے پان دیا تو اُس نے فرط محبت سے میرا ہاتھ جو پان کا حامل بن کر پردے کے باہر گیا تھا پکڑ لیا اور بے تکلف بوسہ لیا میں نے اس کی اس حرکت کو پیر صاحب کی عقیدت کے الفاظ میں ظاہر کیا اور وہ اس سے مطمئن ہوا۔ کبھی کبھی شاہ صاحب کو بیرونجات میں جانے کی ضرورت پڑتی تاکہ وہ اپنے مریدین کا دائرہ وسیع کریں عقل کے اندھوں اور گانٹھ کے پوروں کا شکار کریں اور سالانہ رقوم نذر و نیاز وصول کریں' عبدالرحیم کے انتخاب کے بعد سے ہی میں ان آنے والے دنوں کا بے صبری سے انتظار کرنے لگی ایک معقول انتظار کے بعد شاہ صاحب بیدرکہ بعض کے لیے غیر حاضر ہوئے اور بدستور عبدالرحیم کو مکان کی نگرانی وغیرہ کی ہدایتیں ملیں ۔

پانچواں باب

مکان میں اسوقت چار ملازم تھے بلقیس خادمہ کھانا پکانے کی خدمات انجام دیتی

اسکا لڑکا "خدا بخش" اندر باہر کے چھوٹے چھوٹے کام کرتا۔ نوجوان بدرو ڈگروں کی صفائی اور جھاڑ پونچھ کی ذمہ دار تھی اور میری ذاتی ضرورتوں کی تکمیل اسی کے سر تھی بوڑھا ملازم "سلارو" ڈیوڑھی پر افیم کے نشہ میں مست پڑا رہتا معمولی معمولی کام ناک بھوں چڑھا کر کر دیتا خدا بخش کو ہر وقت گالیاں دیتا اور مارتا پیٹتا نفیس اور بدرو ہمیشہ ایک دوسرے کے کام میں نقص نکالتی رہتیں۔ یہ سب ملازم میرے ہاتھ میں کٹھ پتلی کی طرح تھے اور سب مجھ سے خوش بھی تھے خصوصاً بدرو، جس کی عمر بائیس تیئس برس سے زیادہ نہ تھی اور چھ سات سال خاوند کے ہمراہ رہ کر بیوہ ہو چکی تھی اس کا رنگ گندمی آنکھیں بڑی بڑی اور اعضاء سڈول تھے اور غالباً اس کے حصول میں شاہ صاحب کی ہوس پرستی یہاں بھی مگر جب میں نے اُسے اپنے تصرف میں لے لیا تو شاہ صاحب نے اس طرف سے آنکھیں پھیر لیں اور اب وہ خادمہ تھی۔ شاہ صاحب چلے گئے اور میں نہایت بے صبری سے رات کا انتظار کرنے لگی۔ رات آئی مگر نا کام میرے خیال کے مطابق عبدالرحیم میرے مکان پر نہ سویا۔ بلکہ مجھے تعجب ہوا جب وہ حسب معمول شام کو غیر حاضر رہا۔ میں نے رات کا ایک معمول حصہ اُس کے انتظار میں صرف کیا بے چینی اور اضطراب ناقابل برداشت تھا مجھے محسوس ہوا کہ میں اس سے محبت کرنے لگی ہوں تین بجے تک کروٹیں بدلتی رہی ملازم تمام بے خبر سو رہے تھے میں نے ایک منصوبہ تیار کیا اور اس کی تکمیل کے لیے تیاریاں کرنے لگی میں نے خود اُٹھ کر مکان کا دروازہ کھول دیا اور ایک ٹرنک کمرے سے اُٹھا کر صحن میں زور سے پھینک دیا اور چور چور کی آواز بلند کی تمام گھر سراسیمہ اور پریشان ہو کر اُٹھ بیٹھا روشنی کی گئی دروازہ بند کیا گیا اور ٹرنک اُٹھایا گیا مگر چور کا خوف سب پر طاری تھا نفیس نے کہا میں جاگ رہی تھی مگر بولنے کی ہمت نہ ہوئی میں نے اپنی آنکھ سے ایک کالا سٹنڈا دیکھا تھا سلارو نے کہا جی وہ دو تھے ایک کو تو میں نے پکڑ ہی لیا تھا مگر ہاں نکل گیا

میں ان بہادروں کے کارنامے سنتی رہی اور رات کا بقیہ حصہ خاصی دلچسپی سے بسر ہوگیا صبح تو میری آنکھ لگ گئی۔

کوئی دس بجے سو کر اٹھی غسل کیا قیمتی اور خوشنما لباس زیب تن کر کے ناشتہ کیا اور عبدالرحیم کا انتظار کرنے لگی معلوم ہوا کہ وہ صبح آیا تھا اور چور کا واقعہ سنکر بہت متعجب اور متاثر ہوا تھا مجھے بہت دیر انتظار نہ کرنا پڑا۔ بدرو نے مجھے اس کے آنے کی اطلاع دی میں نے اسے مکان کے مردانہ حصہ میں بٹھایا اور خود پردے کے پیچھے ایک کرسی پر بیٹھکر باتیں کرنے لگی مختلف گفتگو ہوتی رہی مگر اس نے میرے اس سوال کا جواب "کل رات تم کہاں رہے" باوجود کئی دفعہ پوچھنے کے کچھ نہ دیا۔

جب میرے اصرار کے باوجود وہ خاموش ہی رہا تو میں نے ادھر اُدھر دیکھکر پردہ اُٹھا دیا اور مسکرا کر باندازِ دلربائی کہا "تمہیں بتانا ہوگا کہ تم کل رات کہاں تھے" اُس نے گردن نیچی کر لی اور بے تاب ہوکر اُٹھ کھڑا ہوا۔ میں بھی جلوہ دکھا کر اندر چلی گئی اور کہتی گئی "گلوریاں لاتی ہوں" وہ کمرے میں ٹہلنے لگا میں نے بدرو کو آواز دی دو پان منگوائے پان لا کر تھالی میں رکھ لیے اور بدرو اور نصیبن کو کھانا کھانے باورچی خانے میں جو کمروں کے مقابل صحن کے دوسرے حصہ میں واقع تھا بھیجدیا۔ ادھر سے فراغت کر کے میں بے تکلف کمرے میں چلی گئی اور عبدالرحیم کے سامنے بے حجاب کھڑی ہوگئی اُس کا دل دھڑکنے لگا اور اس نے لرزتے ہوئے ہونٹوں سے کہا "آہ تم نے مجھے تباہ کر دیا میرے جذبات میں تلاطم پیدا کر دیا" میں نے مارے محبت مسکرا کر اپنے ہاتھ کا پان اس کے منہ میں دیدیا اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھکر کھڑی ہوگئی وہ پہلے تو مرعوب ہو کر ساکت کھڑا رہا مگر پھر بے تابانہ تعجیل کے ساتھ اس نے مجھے اپنے آغوش میں لے لیا اور بے تکلف میرے بوسے لینے لگا میں بے

حسن حرکت کیے آغوش میں کھڑی رہی اور اُس کی مجنونانہ حرکتوں کو دلچسپی اور محویت سے دیکھتی رہی آخر اس کا جوش فرو ہوا اور اس نے مجھے کہا اب کیا ہوگا؟ میں نے ہنسکر کہا کچھ ہوا ہو میں صرف یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ تم کل رات کہاں تھے؟ اُس نے جواب دیا "میری غیر حاضری کی وجہ صرف یہی تھی کہ میرے خیالات عقیدت گمراہ ہو گئے" اور میں واجد شاہ صاحب کے مرید ہونے کے لئے مجبور ہو چکا ہوں اب میری آبرو کا بچانا تمہارے ہاتھ ہے میں رات اسی لیے یہاں نہیں سویا کہ خدا جانے کن کن لغزشوں کا گنہگار ہوں مجھے خوف تھا کہ شاید میری دست درازیاں تمہیں ناگوار ہوں میں نے کہا کچھ پرواہ نہیں تمہیں آج شب کو یہیں سونا پڑے گا مجھے تم سے بہت کچھ کہنا ہے ان سیہ کاریوں کی متحمل صرف تاریک رات ہو سکتی ہے اچھا اب تم جاؤ خدا حافظ ذکر کھانے سے فارغ ہو چکے ہوں گے میں یہ الفاظ کہتی ہوئی دوبارہ اپنے کمرے میں آگئی *

چھٹا باب

رات وہ رات حسن کے انتظار میں اور رات کے تاریک سمندروں میں تصوّر کی کشتی میں بیٹھکر تلاطم حادثات کی سیر کر چکی تھی۔ آہی گئی۔ رات کا سکون میرے اضطراب کے آغوش میں کروٹیں لینے لگا۔ اور میں مضطرب ہوکر انتظار کی گھڑیاں گذارنے لگی۔ میں نے تمام ملازموں کو تاکید کی اور رات کا خود ساختہ واقعہ یاد دلاکر تمام دروازے احتیاط سے بند کرا دیے، دس بجے کے قریب عبدالرحیم آگیا۔ اُس کے لیے مردانے کمرے میں بستر لگا دیا گیا تھا۔ یہ کمرہ میرے کمرے کی پشت پر تھا۔ اور دونوں کے درمیان ایک دروازہ تھا جو عموماً بند رہتا۔ مدد میرے کمرے میں سوتی تھی اس لیے میں نے شام کو اُسے ایک مدہوش کرنیوالی دوا پلا دی تھی وہ درد سر کا

شکار ہو کر دُنیا و مافیہا سے بے خبر ایک کونے میں پڑی فرش پر سو رہی تھی میں نے تمام گھر کا چکر لگایا اور ہر ہستی کو نیند کے آغوش میں ساکن دیکھ کر مسکرائی شراب کی بوتل آہستہ سے نکالی اور ایک پیگ پی کر الائچیاں کھائیں پان کے ٹکڑے بنائے اور دروازہ بند کر کے لیمپ دھیما کیا اور عبدالرحیم کے پاس جا پہنچی۔ وہ پہلے ہی چشم براہ بیٹھا تھا اُس نے مجھے بے تکلف اپنی آغوش میں لے لیا مجھے احساس ہوا کہ واقعی میری زندگی کی پہلی رات آج ہے اور میں آج جوان ہوئی ہوں۔ میں بھی جوش محبت میں اُس کے لپٹ گئی شراب نے میرے جذبات کو مشتعل کر دیا تھا غرض تمام رات جس کے آغوش میں سیاہ کاری کی لذتیں پنہاں تھیں بخیر و خوبی انجام کو پہنچی عبدالرحیم میری تمنا سے زیادہ سادہ دل ثابت ہوا میں نے اپنے اثر کا پہلا امتحان شراب کا گلاس پیش کر کے لیا۔ اس کے انکار پر میرے اصرار نے فتح پائی اور اسکی محبت میرے حسن سے شکست کھا کر مطیع و فرمانبردار بن گئی۔ میں نے اپنی نامراد زندگی کا ایک ایک ورق اس کے مطالعہ کے لیے وقف کر دیا اپنی غم نصیب داستان تمام و کمال سنا دی۔ اپنی عصمت دری کا پہلا سبق جو مجھے شاہ صاحب نے پڑھایا تھا دُہرا دیا اپنے باپ کی بے وقت موت کے اسباب بیان کر دیے اب اُسے میری گمراہی کا راز معلوم ہو گیا۔ اُسے شاہ صاحب سے نفرت ہو گئی اور وہ میرا ہم آہنگ ہو کر میرا دست و بازو بننے کے لیے تیار ہو گیا:

شاہ صاحب پندرہ روز غیر حاضر رہے اور میرے دن عید اور راتیں شب برات بن کر گذریں اور میں نے عصمت مآبی کے جہنم سے نکل کر معصیت کے بہشت کی سیر کی:

میری رسوائی جراحتیں جو شاہ صاحب کے ہمراہ نفرت میں تبدیل ہو چکی تھیں اس کیف و سرور کی دُنیا میں پہنچیں۔ میں اس خوشگوار حباب کی لذتوں میں گمراہ ہو کر

اپنے انتقام کے جذبات کو فراموش کر بیٹھی۔ ان پندرہ روز میں میں نے اپنے حسن وشباب کی داد دی اور مجھے محسوس ہوا کہ میں نے ایک حد تک شاہ صاحب کی آبروریزی کر کے اپنی عصمت دری کا انتقام لیا۔

شاہ صاحب واپس آئے تو میں نے خلاف معمول گرمجوشی سے اُن کا خیر مقدم کیا ایک مسرور تبسم سے خوش آمدید کہا اور ہر طرح اُن پر ثابت کر دیا کہ مجھے اُن کی جدائی کا احساس ہونے لگا ہے ادہر تو میری خندہ پیشانی نے اُدھر عبدالرحیم کی تصنع میں ڈوبی ہوئی عقیدت نے اُنھیں بہت خوش کیا۔

زندگی حسب معمول گذرتی رہی۔ میری اور عبدالرحیم کی خط وکتابت کے پردے میں گفتگو ہوتی رہی کبھی کبھی شاہ صاحب کی گھنٹے دو گھنٹے کی غیر حاضری ہمیں ایک دوسرے کے آغوش میں دیتی رہتی تھی۔ ہم اس سے پورا فائدہ اُٹھانے کی کوشش کرتے رہے۔

سب سے پہلے میرا راز بدرو کے سینے میں منتقل ہو گیا اور اب وہ ہم دونوں کے درمیان ایک سلسلہ گفتگو بن گئی۔ اُس نے اس راز کو محفوظ رکھا اور ہماری سیہ کاریوں پر پردہ ڈالا۔ وہ ضرورت سے زیادہ چالاک تھی اس کی ہوشیاری ہمارے لیے ایک نعمت غیر مترقبہ بن گئی۔ اور میں اُس پر بہت زیادہ مہرباں ہو گئی۔

ساتواں باب

دن کٹے اور خوب کٹے۔ راتیں گزریں اور خوب گزریں۔ عشق کیا اور دل بھر کر کیا ارماں نکالے اور اچھی طرح نکالے مگر شاہ صاحب کو ان سیہ کاریوں کا علم ہی نہ ہوا ہوتا کیسے وہ خود اپنے مسودوں اور مکاریوں میں اُلجھے ہوئے تھے

وہ تو دوسروں کی آنکھوں سے بچنے کی فکر میں تھے۔ دیکھنے کی فرصت ہی نہ تھی شراب تو اُن کی گھٹی میں پڑی تھی۔ میں نے اُس میں بیہوشی کا اور اضافہ کر دیا غرض میرے دن اور میری راتیں شب برات تھیں کہ شاہ صاحب کو منونیا ہوگیا اور ہُوا بھی اس زور کا کہ دنیا و مافیہا سے غافل ہوگئے۔ بیہوشی کے دورے پڑنے لگے اور اکثر "نور جہاں" "نور جہاں" کا نام اُن کی زبان سے سُنا گیا۔ مجھے بڑا غصہ آیا اور میں نے عبدالرحیم سے اس "نور جہاں" کا پتہ لگانے کو کہا۔ مگر ہمیں ایک عرصہ تک کوئی کامیابی نہ ہوئی۔

شاہ صاحب نے اس مہلک مرض سے نجات پائی اور دوبارہ ہٹے کٹے ہوگئے ایک دن میں مردانے میں عبدالرحیم کی تلاش میں گئی مگر وہ وہاں نہ تھا۔ گاؤ تکیہ کے نیچے کچھ چٹھیاں رکھی تھیں، میں اُٹھا کر پڑھنے لگی۔ اکثر مریدوں کے خطوط تھے۔ کسی نے مقدمہ بازی کا تعویذ مانگا تھا۔ کسی نے کچھ، کسی نے کچھ۔

میں نے ایک خط کھولا۔ حیدر آباد سے آیا تھا۔ کسی شخص احمد دین نامی نے بھیجا تھا خط کے مضمون سے معلوم ہوا کہ اُس کی بیوی نور جہاں بیمار ہے۔ کسی جن یا پری کا سایہ ہوگیا ہے شاہ صاحب کو بلایا ہے کہ آکر اُتار جائیں۔

شام کو شاہ صاحب نے حیدر آباد جانے کا حال مجھ سے کہا۔ میں اُس کی شاعرانہ باتیں سُنتی رہی۔ آخر میں نے کہا کہ میں بھی ساتھ چلوں گی۔ پہلے تو وہ بہت گھبرائے اور مجھے ٹالتے رہے آخر میرے اصرار سے مجبور ہو کر راضی ہوگئے اور چلنے کی تیاری کا حکم دیا۔

ایک دن رات میں "بدرو" "عبدالرحیم" اور شاہ صاحب چاروں حیدر آباد روانہ ہوگئے بیماری کے دوران میں عبدالرحیم نے شاہ صاحب کی خدمت خوب کی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں اور عبدالرحیم شاہ صاحب کی موجودگی میں بے تکلف

رسمی سے پردے کو ملحوظ رکھتے ہوئے گفتگو کر لیتے تھے۔

ہمارے روانہ ہونے سے پہلے حیدر آباد تار دیے جا چکے تھے۔ اسٹیشن پر ہمارے استقبال کے لیے بہت سے آدمی جمع ہو گئے تھے۔ موٹریں موجود تھیں ہم ایک رئیس کے بنگلے پر فروکش ہوئے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے شاہ صاحب کے اندھے اور بے وقوف مریدوں کو جان نثاری کرتے دیکھا ایک طرف ان کی عقیدت اور دوسری طرف اُس مردود کی سیاہ کاریاں میری نظروں میں پھرتی تھیں۔ صاحب خانہ نے نہایت فراخدلی اور ایثار سے ہماری میزبانی کی۔ مگر میری تمام اُمیدیں خاک میں مل گئیں جب میں نے اس گھر میں کسی "نورجہاں" کو نہ پایا۔ میں نے آنے سے پہلے تمام واقعہ عبدالرحیم کو سمجھا دیا تھا۔ اب چونکہ میں اُس سے نہ مل سکتی تھی اس لیے میں نے ایک خط لکھ کر مدرو کی معرفت اُسے بھیجا اور تاکید کر دی کہ سایہ کی طرح اس بدذات کے پیچھے لگا رہے اور اس نورجہاں کا پتہ لگائے۔

اُس کی کوششیں کامیاب ہوئیں اور حسبِ ذیل واقعہ ظاہر ہوا۔

" احمد دین ایک متوسط درجہ کا تاجر تھا۔ نورجہاں اُس کی بیوی تھی اور دونوں شاہ صاحب کے مرید بھی تھے۔ شاہ صاحب اس سے پہلے اُسے گنڈا کر چکے تھے۔ جن اُتارنے کے لیے تین گھنٹے تک دونوں ایک کمرے میں بند رہے اور صبح کو نورجہاں اچھی تھی، گویا جن اُتر لیا تھا"۔

میں نے شاہ صاحب سے اس عورت کے دیکھنے کی فرمائش کی، اور اُنہوں نے اُسے بلوا دیا نوعمر عورت تھی پندرہ سولہ کا سن تھا۔ بڑی بڑی نرگسی آنکھیں قیامت ڈھا رہی تھیں وہ آتے ہی میرے قدموں میں گر پڑی میں نے اُسے اُٹھا لیا اور بہت خندہ پیشانی سے ملی نہایت بھولی بھالی بے وقوف لڑکی تھی مجھے یقین ہو گیا کہ اس بدنصیب نے شاہ صاحب کے ارمان نکال لیے ہیں

بھی اسی عقیدت کا لحاظ کیا جو پیر اور مرید کے درمیان ہوتی ہے۔ وہ دن بھر رہی اور یہ مردود میرے سامنے بھی اُسے اپنی بیٹی کہتا رہا +

حیدرآباد کے لوگ عام اس سے کہ وہ عورتیں ہوں یا مرد نہایت عقیدتمند اور اخلاص کیش واقع ہوئے ہیں، اور ایک نمائشی پیر کی جولانگاہ کے لیے ایک وسیع میدان ہے +

ہم کوئی تین ہفتے وہاں رہے۔ اس عرصے میں مجھے بڑے بڑے گھروں میں جانے کا اتفاق ہوا میرے ہمراہ شاہ صاحب بھی بے تکلف عورتوں میں جاتے اور تمام نوعمر اور حسین لڑکیاں بے پردہ اُن کے سامنے اظہار عقیدت کے لیے پیش کی جاتیں +

آٹھواں باب

اب شاہ صاحب کی واپسی پر میں نے اپنے آپ کو اُن کے پھندے سے نکال لینے کا مصمم ارادہ کر لیا اور سمجھ لیا کہ جس طرح بھی ممکن ہوگا پیر صاحب سے اپنی ڈرائی تحریر حاصل کروں گی اور اپنی بقیہ عمر عبدالرحیم کے ساتھ عیش و آرام سے گزار دوں گی +

میں اسی اُدھیڑبن میں تھی کہ ایک روز میری قسمت کھلی اور جبکہ آسمان پر جذبات کو متحرک کرنے والی گھنگھور گھٹائیں شرق کی جانب سے اُٹھ اُٹھ کر سہانی سہانی ہوا کو اپنے پہلو میں لیے ہوئے فرحت افزا چھینٹے دے دے کر زندہ دل ہستیوں کا امتحان لینے میں مصروف تھیں شاہ صاحب کا دل بھر بھرایا اور رنگین احساس کے لیے بوتل و بغل میرے کمرے میں وارد ہوگئے دَور چلنا شروع ہوا میں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور شاہ صاحب سے آنکھ بچا کر دو تین بے ہوشی ملا ملا کر جام پلانے

شروع کر دیے تھوڑی دیر میں شاہ صاحب سننے میں چور ہو کر غنیں ہو گئے اور میں نے
اُن کے کمر بند سے تالیوں کا گچھا کھولکر اطمینانِ قلب کے ساتھ شاہ صاحب
کے صندوقچے کی تلاشی لینی شروع کی۔ آخر ایک مقفل خانے میں مجھے میری وہ تحریر ملی
جس سے میرا حشر خراب کیا تھا اور جو مجھ سے جبر یہ لکھائی گئی تھی۔ میں نے اُسکو پڑھتے
ہی چاک کر دیا اور اُس کے پُرزوں کو جلا کر راکھ میں ملا دیا۔ اور صندوقچہ بدستور بند کر کے
تالیاں شاہ صاحب کے کمر بند میں باندھ دیں اور حسب دستور رہتی سہتی رہی اس
درمیان میں میں نے عبدالرحیم کی امداد سے اپنے کچھ کاغذات بھی حاصل کر لیے جن کی مدد سے
شاہ صاحب نے میری جائداد پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا تھا۔

اس واقعہ کو کچھ زیادہ دن نہ گزرے ہوں گے کہ نمک حرام مردو نے میری اور
عبدالرحیم کی محبت کا راز فاش کر دیا اور وہ اس طرح ہوا کہ شاہ صاحب نے مردو
پر محبت کے ڈورے ڈالے اور دونوں کا ناجائز تعلق ہو گیا مردو نے کوشش کی
کہ مجھے نکلوا کر خود شاہ صاحب سے نکاح کرے۔

شاہ صاحب نے مجھے بیحد مارا اور میں نے بھی نہایت صفائی سے اُنھیں
جواب دیے میری جائداد اور اُس کی آمدنی کا خیال تھا ورنہ مجھے اُسی وقت
نکال دیتے۔

اب نمک حرام مردو گھر کی مالک بنکر میری نگرانی کرنے لگی مگر اس کے باوجود
میں نے عبدالرحیم تک جس کا آنا جانا بند ہو چکا تھا اپنے خطوط بھیج ہی دیے، اور
ایک دن رات کو آٹھ سو روپے نقد اور تمام زیور جو دو تین ہزار روپے کا ہوگا ہمراہ
لیکر میں نے اس گھر کو خیرباد کہدیا اور عبدالرحیم کے مکان پر جا پہنچی مگر مصلحتِ وقت
سے مجبور ہو کر ہم دونوں بمبئی کو روانہ ہو گئے دو روز تک ہم ایک ہوٹل میں پڑے رہے
اُس کے بعد مکان کا انتظام کر کے رہنے لگے۔

چند ماہ نہایت عیش وعشرت سے بسر ہوئے مگر روپیہ اور زیور تمام خرچ ہوچکا تھا۔ اُس پر طرہ یہ ہوا کرے دفا عبدالرحیم ایک بازاری عورت کی محبت کا شکار ہوگیا وہ دن دن بھر غیر حاضر رہتا اور شام کو جب آتا تو کوئی نہ کوئی زیور یا روپیہ طلب کرتا میری جان عذاب میں پڑ گئی اُس کی بے مروتی نے میری جنت تباہ کر دی میں رات رات بھر اپنی مصیبت پر روتی یہ سچ ہے کہ میرا اُس سے نکاح نہیں ہوا اور ہو کس طرح سکتا تھا۔ میں ایک دوسرے شخص کے نکاح میں تھی۔ شاہ صاحب مجھے کب طلاق دینے لگے تھے کہ میں نکاح کرتی دنیا میں کوئی میرا سہارا نہ تھا۔ ہر طرف دنیا تاریک نظر آتی تھی اور میں نے کئی دفعہ زہر کھا لینے کا ارادہ کیا مگر بے شرم زندگی نے یہ بھی نہ کرنے دیا۔

ایک پیسہ خرچ کو نہ رہا مکان دار شریف آدمی تھا مگر کب تک اُس نے کرائے کا تقاضا شروع کر دیا اور دق کرنا شروع کیا۔ ایک دن شام کو وہ بہت سخت سست کہہ گیا اور کہہ گیا کہ اگر کل تک کرایہ ادا نہ ہوا تو میں سامان پر قبضہ کر لوں گا۔

میں رات تک خون کے آنسو بہاتی رہی عبدالرحیم جو میں گھنٹے سے غیر حاضر تھا آخر بھوک سے مجبور ہو کر اور گھر کی تاریکی سے تنگ آ کر میں نے برقع اوڑھا اور اُس کی تلاش میں روانہ ہو گئی۔ بڑی مصیبت کے بعد اُس عورت کا گھر ملا۔ وہاں پہنچی۔ اوپر گئی تو سناٹا گو وہ کھلا معلوم ہوا کہ کل رات کو عبدالرحیم اس رنڈی کو مع اُس کے زیورات کے بھگا لے گیا۔ اُس کی بوڑھی ماں آٹھ آٹھ آنسو روتی تھی۔ یہ بڑی بی میرے ساتھ بڑی محبت سے پیش آئیں اور اُنھوں نے بڑی خاطر مدارات کی اور میں نے اپنا تمام افسانہ سنا دیا۔ آخر بڑی بی نے میرے لیے نہایت صاف ستھرا بستر کر دیا اور میں سو رہی۔

صبح کو بہت دن چڑھے اُٹھی میرا دل خود اب اُس مکان میں جانے کو نہ چاہتا تھا

دوسرے فرشتوں کا ڈر مجھے بڑی بی ہی کے پاس رہنے کو مجبور کر رہا تھا۔ اِدھر روشنی میں بڑی بی نے میرے حسن و جمال کا معائنہ کیا۔ ایک نقادانہ نظر ڈالی، اور مجھے بہت کچھ سمجھا کر بیٹی بنا لیا۔ میں نے غسل کیا اور قیمتی لباس سے ملبّس ہو کر قدِ آدم آئینے میں نظر ڈالی تو خود ہی عاشق ہو گئی۔

اب میری زندگی کے دو ماہ ختم ہو چکے تھے اور تیسرے کی ابتدا ہوئی۔

نواں باب

پارسائی اور نکوکاری کے مقدس پردے میں گمراہ زندگی گزارنے کے بعد ایک عصمت مآب ہستی جس کے نصیب میں عصمت فروشی کا ناقابل انحراف حکم لکھا جا چکا تھا، کھلم کھلا ایک بازاری کمرے میں ایک بازاری عورت کی حیثیت سے رہنے لگی، میں گنہگار تھی سیہ کاری میرا شعار تھا مگر میں اپنے آپ کو ذلیل نہ سمجھتی تھی۔ ہائے وہ عبدالرحیم کی محبت جس نے مجھے اندھا کر دیا تھا۔ وہ حسِ انتقام جس کی پرورش میں نے شاہ صاحب کے خلاف کی تھی رفتہ رفتہ زائل ہو گیا، مگر اپنے ناقابل برداشت نشانات میری زندگی کی گمراہی کے لیے چھوڑ گیا۔

انسان حق و باطل میں تمیز نہ کرنے والا انسان جب اپنی بے بسی اور بیچارگی کو نظر انداز کر کے احکامِ خداوندی کے خلاف جدوجہد میں مصروف ہوتا ہے تو اُس کی وہ سازشیں جنہیں وہ اپنی بقا اور بہبود کے لیے کامیاب سمجھتا ہے ہمیشہ اُس کی بربادی کی ضامن ہوتی ہیں وہ اپنی محدود عقل کے مطابق بلند پروازی کرتا ہے مگر اُس کی بدنصیبی اُسے تحت الثریٰ میں پہنچا دیتی ہے۔

نظامِ خداوندی میں دست اندازی کرنا گویا اعلان ہے خدا کی بیچارگی کا۔ جب ہم دنیاوی سزا اور جزا کا مسئلہ اپنے ہاتھوں میں لے لیتے ہیں تو ہم بھول جاتے ہیں

کہ یہ ہمارا کام نہیں۔ ہمیں جاننا چاہیئے کہ خدا قادرِ مطلق خدا ہر شخص کے اعمال کا نگراں ہے اور ہر شخص کے اعمال کی سزا اور جزا اُسکا کام ہے ہمارا نہیں۔

شاہ صاحب کی ہوا و ہوس کا شکار بنکر اپنی طبیعت پر جبر کرکے صبر کرتی اور خدا کے سپرد کر دیتی کہ وہ میری عصمت کی توہین کا انتقام خود لے لیتا تو یقیناً میرا انجام یہ نہ ہوتا۔ اب مجھے اپنی حماقتوں کا اندازہ ہونے لگا۔ مگر اس میں مجبور تھی۔ کرتی تو کیا کرتی۔ عبدالرحیم جا چکا تھا میں اس قابل نہ تھی کہ دوبارہ شاہ صاحب کے گھر کا رُخ کرتی۔ مجبوراً اپنی مرضی کے خلاف اپنی بے بسی اور بے چارگی سے متاثر ہوکر میں نے نظیر جان کی عنایتوں میں پناہ لی نظیر جان کی تمام مہربانیاں اُس کی خود غرضی کا نتیجہ تھیں۔ وہ مجھے عبدالرحیم کی ملکیت سمجھتی تھی اور عبدالرحیم چونکہ اُس کی لڑکی کو جو مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ اُس کی لڑکی نہ تھی بلکہ میری طرح وہ بھی اُس کے ہاتھ لگی تھی اور منہ بولی بیٹی بنائی گئی تھی لیگیا تھا۔ اس لیے وہ مجھے حاصل کرکے اپنے نقصان کی تلافی کرنا چاہتی تھی۔

دو چار روز تک تو میں خود مختاری کی شان کے ساتھ رہی اس کے بعد نظیر جان کے احکام خوشامدانہ انداز میں ظاہر ہونے لگے میرے نام میں تھوڑی سی ترمیم کی گئی اور میں شمس النہار بیگم سے شمی جان طوائف بن گئی۔ مجھے گانے بجانے کی تعلیم ملنے لگی غزلیں یاد کرائی گئیں مصنوعی ناز و انداز سکھائے گئے اور میں اپنی ذہین فطرت کے مطابق بہت جلد ان تکلفات میں دلچسپی لینے لگی۔

دو تین ماہ تک مجھے پوشیدہ رکھا گیا اس عرصے میں میں خوب گانے لگی کپڑا گھر میں موجود تھا۔ زیور تھوڑے بہت نظیر جان نے فراہم کر لیے اور ہم چار ماہ بعد مکمل تیاری کے ساتھ مدراس روانہ ہوگئے مدراس میں ہمیں بڑی کامیابی ہوئی میرا سُرخ و سپید رنگ مدراس کے سیاہ رنگ پر فوقیت حاصل کرکے مرجع خاص و عام بن گیا

عقل کے اندھے [illegible] گانٹھ کے پورے ما وجود ایسی سیاہ فام کریہ منظر صورتوں کے
[illegible] سمجھتے ہوئے پروانہ وار میرے شمع رخسار پر نثار ہونے لگے۔
گناہگاری نے میرے حسن وجمال کو خوش آمدید کہا سیہ کاری کا آغوش مجھے
اپنے پہلو میں بٹھاکر ماراں تھا اور میں فطرت انسانی کی کمزوریوں کے مطالعہ میں
مصروف ہوگئی ؛

ہم دو سال تک مدراس میں رہے اور اس عرصہ میں تمام علم سینہ نطیر جان
نے اپنے میں سے میرے سینہ میں منتقل کر دیا۔ میں نے اپنے اعمال سے اور اپنی
ذہانت سے نطیر جان پر ثابت کر دیا کہ اس کی محنتیں رائگاں نہ گئیں ؛

ایک نوعمر نواب زادہ ہمارے جال میں پھنسا اور میری محبت کا دم بھرنے لگا
یہ حقیقت میں حیدر آباد کے کسی رئیس کا لڑکا تھا اور کسی ضرورت سے مدراس آیا ہوا
تھا اس کی زریں خوشامدوں نے ہمیں مجبور کر دیا اور ہم اُس کے ہمراہ حیدر آباد چلے
آئے۔ تمام اخراجات اور پانچسو روپے ماہوار کا وعدہ کرکے یہ ہمیں لایا۔ آبادی کے
باہر ہمارے لیے ایک نہایت وسیع اور آراستہ بنگلہ مہیا کیا گیا ہم اس میں
رہنے لگے ؛

شراب خواری جو میں نے ترک کر دی تھی دوبارہ شروع ہوگئی اور میں دن رات
میں ایک معقول حصہ ختم کر جاتی چھ ماہ نہایت عیش وعشرت سے گزرے اور
نطیر جان کے پاس مدراس اور حیدر آباد کی کمائی سے دس ہزار روپیہ کی رقم نقد اور
زیورات کی صورت میں موجود ہوگئی ؛

ایک دن نواب صاحب نے اپنے چند دوستوں کی دعوت کی اور محفل رقص
سرود گرم ہوئی۔ شراب کا دور چلا میں نے اپنے حسن وجمال سے اور اپنی حسن
اخلاق سے تمام محفل کو مسحور کر دیا ور [illegible] پہلو و بالیں تڑپنے لگے۔

میرے طالبوں کا دائرہ ہر لحظہ وسیع ہوتا رہا اور اس رات تو مجھے اتنی کامیابی ہوئی کہ دوسرے ہی دن سے ہزاروں کی فرمائشیں آنے لگیں اور چاہنے والے خوب خوب ہاتھ رنگے۔

مگر یہ سلسلہ قایم نہ رہ سکا اور کسی طرح حکام کو اس کی اطلاع مل گئی حیدرآباد کے قانون کے مطابق کوئی طوائف وہاں نہ رہ سکتی تھی۔ اس لیے نواب زادہ کی تمام ریاست کی ضبطی کے احکام صادر ہوئے ہمیں قبل از وقت اطلاع مل گئی اور ہم بھاگ کر انگریزی علاقہ میں پناہ لی۔

گو ہم حیدرآباد کی حد سے باہر تھے پھر بھی میرے بہت سے شیدائی مسلسل وہاں آتے اور ہزاروں کے نذرانے چڑھا کر اپنے خالی جذبات کی تسکین کرتے رہے مگر یہاں بھی ہم آرام سے نہ رہ سکے اور بہت جلد ہمیں بھاگنا پڑا، اور ڈھائی تین سال کی غیر حاضری کے بعد ہم پھر بمبئی پہنچے۔

دسواں باب

بمبئی۔ ہائے وہ بمبئی جو اپنی آبادی کے لحاظ سے ہندوستان کا ایک سربرآوردہ شہر ہونے کا دعوےٰ کر سکتی ہے۔ میرے نام سے گونج اٹھی، بچے بچے کی زباں پر "منی جان" تھا۔ میرا گانا، میرا حسن و جمال میرے عادات و خصائل مجھے بہت زیادہ ہر دل عزیز بنا چکے تھے۔ کوئی محفل ایسی نہ تھی جو میری غیر حاضری میں مکمل سمجھی جائے۔ بڑے بڑے بزرگ صورت اپنے ارادتمندوں میں داخل ہونے پر فخر کرتے تھے عمامہ پوش حاجی الحرمین میرے دولت خانہ کا طواف اپنی زندگی کا مقصد سمجھنے لگے۔ روپیہ برسنے لگا۔ نذرانوں کی بارشیں ہونے لگیں اور میری کامیابی پر ہزاروں ہونے لگی۔

بمبئی واپس آنے کے دو ماہ بعد میرا تعلق سیٹھ صاحب سے ہوگیا یہ ایک کروڑپتی آدمی تھا۔ کروڑوں روپیوں کی تجارت کرتا تھا۔ عربی الاصل مشہور تھا کئی جہازوں کا مالک ہونے کے علاوہ موتیوں کی تجارت اس کی دولت و ثروت کی ضامن تھی۔ اس سے میرا کمرہ قطعی چھڑوا دیا۔ اور وہ مجھے اپنے ہمراہ اپنے بنگلے پر رکھتا دو ہزار روپے ماہوار کی رقم صرف میری تنخواہ تھی۔ اور یہ نظیر جان کو کمرے پر بھجوا دی جاتی تھی اُستادوں وغیرہ کی تنخواہ اس کے علاوہ تھی۔ گانے کا بڑا شیدائی تھا اور میں نے بھی اُس کا شوق اِدھر دیکھتے ہوئے خوب محنت کی۔ اُسے مجھ سے بہت زیادہ محبت تھی جسکا ثبوت وہ میری ناز برداری کر کے دیتا۔

میرا معمول تھا کہ شام کو ساری میں ملبس ہو کر چوپاٹی کی سیر کرتی۔ میرا موٹر نہایت اعلیٰ درجہ کا تھا اور میں دیکھنے میں بالکل پارسن معلوم ہوتی تھی۔ ایک دن میں نے ایک نوجوان کو ایک بنچ پر اُداس بیٹھے ہوئے دیکھا۔ خدا جانے کیا بات تھی کہ اُس کی غمناک صورت میرے دل میں اُتر آئی اور چونکہ اُس کی وضع قطع دہلی کا باشندہ ہونے کا پتہ دے رہی تھی اس لیے میں دو تین دفعہ اُس کے سامنے سے گزری مگر اُس نے کوئی توجہ نہ کی وہ اپنے خیالات میں کچھ اس طرح کھویا ہوا تھا کہ دنیا و مافیہا سے غافل ہو چکا تھا۔ آخر میں ہمت کر کے اُسی بنچ پر جا بیٹھی وہ اپنے عمیق خیالات سے گھبرا کر چونک پڑا اور اُس کی زبان سے بے تکلف نکلا "معاف کیجئے" مگر میں دوسری طرف دیکھتی رہی اور میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ کچھ دیر یونہی بیٹھے رہنے کے بعد میں نے اپنا رومال زمین پر گرا دیا۔ میری اُمید کے مطابق اُس نے وہ رومال مجھے اُٹھا کر دیدیا اور میں نے اُس کا شکریہ ادا کیا اور اس طرح سلسلۂ کلام شروع ہو گیا۔ وہ مجھے پارسن سمجھ رہا تھا اور اُس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب اُس نے میری زبان سے نہایت پاکیزہ اُردو سُنی۔ اُسے اور بھی تعجب ہوا جب اُس نے مجھے

دہلی کے ایک ایک چپے سے واقف پایا۔ ہم دونوں بہت دیر تک بیٹھے گفتگو کرتے رہے یہاں تک کہ اندھیرا چھا گیا۔ آخر میں اُس سے دوسرے دن ملنے کا وعدہ کر کے اپنی موٹر کار میں بیٹھ کر روانہ ہو گئی۔

رفتہ رفتہ میرے اُس کے تعلقات عشق و محبت میں تبدیل ہو گئے گھنٹوں کی بے تکلف ملاقاتیں اپنا اثر لائے بغیر نہ رہیں۔ اس عرصے میں میں نے شاہ صاحب وغیرہ کے تمام حالات کی پرسش کے لیے اُس سے دہلی خطوط لکھوا دیے جن کا جواب معقول انتظار کے بعد موصول ہوا۔ شاہ صاحب دہلی کو خیرباد کہہ کر خدا جانے کہاں گم ہو گئے تھے اس لیے اُن کا کوئی پتہ نہ چلا۔

اختر ہاں اُس کا نام اختر تھا میری محبت میں فنا ہو گیا اور میری دلداریوں سے متاثر ہو کر اُس نے اپنا تمام حال مجھ سے کہہ دیا۔ میں نے اپنے آپ کو اپنی ظاہری نمایش سے علیحدہ کر کے اپنی اصلی صورت میں اُس کے سامنے پیش کر دیا میری سرگذشت سُن کر وہ بہت متاثر ہوا۔ وہ تعلیم یافتہ ہونے کے علاوہ بہت صاف باطن اور کم گو واقع ہوا تھا بہت کچھ سوچنے کے بعد اُس نے میری امداد کا وعدہ کیا۔

میں نے اپنے ہاتھ سے ایک انگوٹھی اُتار کر زبردستی اُسے پہنا دی اس میں ایک بہت بڑا ہیرا آویزاں تھا اور اس کی قیمت کوئی دو ہزار روپے کے قریب تھی مگر اُسے اس قیمت کا احساس نہ تھا ورنہ وہ ہرگز ہرگز اسے قبول نہ کرتا۔

میری متواتر درخواستوں سے متاثر ہو کر وہ میری خاطر سے شاہ صاحب کے تمام حالات معلوم کرنے کے لیے دہلی جانے پر آمادہ ہو گیا۔ اور اُس کے بعد "سلیم آباد" جا کر میرے والد کے متروکہ اثاثہ کی موجودہ حالت دیکھنا بھی اُس کے اس سفر کا مقصد قرار پایا۔

میں نے بہت اصرار کیا اور اس کے تمام اخراجات سفر ادا کرنے چاہے مگر اس نے منظور نہ کیا۔ بلکہ میری اس خواہش سے اس کے جذبات خودداری کو صدمہ پہنچا ٭

اب تک میری اس کی تمام ملاقاتیں محبت کی پاک منزلوں میں مقیم تھیں اور اس نے کبھی بھی میرے جسم کو ہاتھ لگانے کی جرأت نہ کی تھی، مگر آج رخصت ہوتے وقت اس کی نگاہیں، اس کی تمناؤں کا راز مجھ پر ظاہر کرنے لگیں میں نے اپنے آپ کو بے تکلف اس کے آغوش میں دے دیا اور وہ مجھے دیر تک اپنے سینے سے لگائے رہا مجھے احساس ہوا کہ جو محبت مجھے اختر سے ہے وہ پہلے کبھی کسی سے پیدا نہ ہوئی تھی۔ آخر ہم ایک دوسرے سے جدا ہوئے، اور اختر دہلی کو روانہ ہو گیا ٭

گیارھواں باب

پندرہ روز کی مقررہ مدت دیکھتے دیکھتے تمام ہو گئی اور اب میں نہایت بے صبری کے ساتھ اختر کا انتظار کرنے لگی۔ روزانہ چوپائی کی مقررہ بنچ پر بیٹھ کر میں اس کا انتظار کرتی۔ مگر میرے شکوک نے مجھے مایوسی کی تعلیم دینی شروع کر دی اور میں کئی روز تک اسکا انتظار کرنے کے بعد مایوس ہو ہی چکی تھی۔ مگر میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب ایک قطعی اجنبی شخص نے ایک دن ایک وزنی لفافہ جس پر صرف "شمس النہار بیگم" لکھا تھا لا کر میرے ہاتھ میں دیدیا۔ میں نے لفافہ لے تو لیا مگر میں اس اجنبی کو غور سے مطالعہ کرنے سے باز نہ رہی وہ میری جویا نظروں سے مضطرب ہو کر کہنے لگا "میں کل حاضر ہوں گا اگر اس کا کوئی جواب ہو تو مجھے عنایت کر دیجیے گا۔ میں احتیاط سے اختر صاحب کے پاس پہنچا دونگا

اس سے پیشتر کہ میں اُسے کوئی جواب دوں یا کوئی اور سوال پوچھوں وہ سلام کرکے رخصت ہوگیا۔ میں اُس لفافہ کو احتیاط سے اپنے رومال میں لپیٹ کر کار پر آ بیٹھی، اور ڈرائیور کو چلنے کا حکم دیا۔ میں نے لفافہ چاک کیا پندرہ سولہ صفحہ کا ایک خط ملفوف تھا۔ اختر دہلی ہی میں تھا شاہ صاحب مفقودالخبر ہوچکے تھے میری یاست محفوظ تھی اور داروغہ اس پر قابض تھا تمام اطلاعات مفصل تحریر تھیں مگر اختر نے اپنے آنے کی بابت ایک لفظ بھی نہ لکھا تھا۔ کسی لفظ یا فقرے میں محبت کا اظہار نہ تھا۔ میری اُلجھنوں میں اور اضافہ ہوا اور میں بہت مضطرب اور پریشان ہوئی۔ دوسرے روز میں اپنے ہیمبر کی تلاش میں پھر چوپاٹی پر پہنچی۔ وہ ملا اور میں نے اُس سے اختر کا پتہ دریافت کیا، اُس نے مجھے بتادیا ۔

میرا ارادہ مستقل ہوگیا میری تیاریاں مکمل ہوگئیں اور میں نے ٹرنک ہمراہ لیکر بمبئی کو خیرباد کہدیا۔ نظیر جان کمرے پر تھی۔ سیٹھ صاحب پونہ گھوڑ دوڑ میں گئے ہوئے تھے، جڑاؤ زیور جو اُسوقت میرے قبضہ میں تھا کوئی بیس ہزار کی قیمت کا ہوگا ہزار روپیہ کے قریب نقد بھی میرے پاس موجود تھا اس لیے میں نے آسانی سے لیڈیز فسٹ کلاس کمپارٹمنٹ میں ایک سیٹ ریزرو کرائی اور دہلی کے لیے روانہ ہوگئی۔ میرا لباس وغیرہ مجھے ایک متمول پارسن ظاہر کرتا تھا اس لیے کسی نے راستہ بھر مجھ سے باز پرس نہ کی۔ دہلی پہنچکر میں نے اختر کی تلاش کی مگر جو پتہ مجھے دیا گیا تھا وہ غلط نکلا اور میری جستجو ناکام و نامراد ثابت ہوئی۔ میں دو تین روز اختر کی تلاش میں سرگرداں رہکر "سلیم آباد" پہنچی اور اپنی شخصیت کو پوشیدہ رکھتے ہوئے تمام مفصل واقعات کا علم حاصل کیا جس جگہ میں مقیم تھی وہ اتنی محفوظ تھی کہ کسی کو اسکا علم بھی نہ ہوا کہ ایک اجنبی عورت اس چھوٹی سی بستی میں مقیم ہے۔ میرے خاندانی نمک پروردوں میں ایک شخص عبداللہ تھا۔ اُس کی عمر ساٹھ پینسٹھ سال کی تھی اُس نے مجھے بچپن میں کھلایا

تھا میں نے اُسے پوشیدہ طور سے بلوایا اور مجھے یقیناً حیرت ہوئی جب اُس نے
میرے سامنے آتے ہی مجھے پہچان لیا۔ میں نے اخفائے راز کی تاکید کرتے ہوئے
سب حال اُس سے پوچھا۔ اُس نے دارو غہ کے مظالم نہایت پُر درد الفاظ
میں سنائے۔ عبداللہ نے مجھے ایک لفافہ دیا جو اختر کی تحریر تھی اور اس پر اُس کا
مفصل پتہ تھا جب وہ سلیم پور آیا تھا تو عبداللہ ہی کے مکان پر مقیم ہوا تھا۔
اب مجھے یاد آیا کہ میں نے بمبئی میں اختر کو جن لوگوں سے ملاقات کرنے کی تاکید
کی تھی اُن میں عبداللہ کا نام بھی تھا۔ میں نے اس لفافہ کو بکمال احتیاط سے رکھ لیا
اور دو چار روز رہکر دہلی واپس آئی۔

اس دفعہ مجھے آسانی سے اختر کا پتہ مِل گیا اور شام کو جب میں اُس کے مکان
کے نزدیک تانگے پر سوار برقعہ میں ملفوف پہنچی تو میں نے اُسے اُس کوچے کے دروازہ
پر کھڑا پایا۔ میں نے تانگہ رُکوا دیا اور تانگے والے کو اُس کے بلانے کے لیے بھیجا
وہ آیا مگر میں نے دیر تک اپنے آپ کو پردہ راز میں رکھا اور برقعہ نہ اُٹھایا۔ میں نے
اُس سے کہا کہ میں ایک اجنبی عورت ہوں اور مجھے ایک مکان کی کرائے پر ضرورت
ہے اُس نے اُسی وقت ایک وسیع مکان کی کنجی منگا کر مجھے دکھایا۔ مکان کی تنہائی
سے فائدہ اُٹھا کر میں نے بے تکلف اپنا برقعہ ہٹا دیا اور اس سے پہلے کہ وہ ابھی
حیرت سے سنبھلے میں نے اُس کے گلے میں اپنی باہیں ڈالدیں۔ اُس نے مجھے
بے تکلف لپٹا لیا اور تمام حال کا پرساں ہوا۔ میں اُسے اپنے ہمراہ اپنے ہوٹل میں
لے آئی۔ میں نے اُس کی بے مروتی کی شکایت کی اور اُس نے پشیمان ہو کر نظریں
جھکا لیں۔ دوسرے روز مکان صاف کرا کے آراستہ کرا دیا گیا اور میں اُس میں
رہنے کو چلی گئی۔ ایک خادمہ میری خدمت کے لیے مقرر کی گئی۔ اختر کے وقت کا
زیادہ حصہ میرے مکان پر گزرتا مگر اُس نے اپنے کسی قول یا فعل سے کوئی ایسا

اظہار نہ کیا جس سے گنہگاری کا ایما پایا جاتا۔ میری باتوں سے کبھی تو وہ متاثر ہو جاتا کبھی مسکرا دیتا۔ اس کی خلاف توقع سرد مہری نے میری آتش شوق کو بھڑکا دیا مگر اس کی موجودگی میں اس کے سکوت کے تاثرات مجھے بے بس کر دیتے اور میرے تمام ارادے نقش بر آب ثابت ہوتے۔ میں اکثر اوقات میں اپنے دل سے سوال کرتی۔

رہ رو راہ محبت تری منزل کیا ہے؟

بارھواں باب

رات کی تاریکیوں میں، میں اور اختر عموماً تفریح کی غرض سے بائسکوپ یا تھیٹر وغیرہ چلے جاتے۔ اسی عرصہ میں اختر نے اپنے ایک دوست "آصف" نامی سے میرا تعارف کرایا، یہ ایک ہٹا کٹا خوش پوش سفلہ تھا۔ بکواس اس کی عادت میں داخل تھی، جھوٹ اور فریب اس کی فطرت کا جزو اعظم تھا۔ یہ مصر وغیرہ ہو آیا تھا اور وہاں کے افسانے، طریق ماندوبود احسن اور عشق کی نمائش وغیرہ وغیرہ اس کی باتوں کی روح رواں تھی، باوجودیکہ یہ شخص شادی شدہ تھا مگر پھر بھی اسکا بہت سا وقت میرے یہاں گزرتا تھا۔ یہ بے انتہا لالچی اور ایمان فروش تھا اختر نے باوجود اصرار میرے ہمراہ کبھی کھانا نہ کھایا۔ مگر یہ بدذات ہمیشہ میرے دسترخوان کا منتظر رہتا تھا۔ مجھے معلوم ہوا کہ اس نے ایک مطلقہ عورت سے صرف اس لیے شادی کی تھی کہ اس کے ہمراہ پانچ ہزار روپے کا ایک مکان تھا جو اسے اپنے پہلے شوہر سے مہر میں ملا تھا یہ تھیں خصوصیات جو اس شخص کی طبیعت میں راسخ ہو چکی تھیں۔

رفتہ رفتہ میرا اثاثہ جو نقد کی صورت میں تھا ختم ہو گیا اور مجھے روپے کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ آخر بہت کچھ سوچنے کے بعد میں نے اس شخص کو اپنا ہمراز بنایا اور ایک

جوڑی کڑوں کی فروخت کرنے کے لیے دی چونکہ میں نے بذات خود ان زیورات کو ناجائز طریقے سے حاصل کیا تھا اس لیے ان کی اصل قیمت سے آگاہ نہ تھی۔ اس لیے جو قیمت اُس نے مجھے لا کر دی میں نے شکریہ سے قبول کر لی۔ اس واقعہ کے بعد اُس کی جرأتوں میں معقول اضافہ ہو گیا اور اب وہ دبی زبان میں مجھ سے اظہار عشق کرنے لگا۔

میرے حسن صورت اور حسن سیرت کی تعریف میں رطب اللسان رہتا۔ معمولی معمولی کام اپنے ہاتھ سے کرتا اور محبت آلود نگاہوں میں داد کا طالب ہوتا میں بھی مصنوعی تبسم سے اُس کی ہمت افزائی کرتی جب اُس کی دست درازیاں ناقابل برداشت ہو گئیں تو میں نے ایک دن تنہائی میں اختر سے اس کا ذکر کیا۔ وہ اپنی غلطی پر۔ اُس غلطی پر جو اُس نے اُسکا تعارف کرانے میں کی تھی پشیمان ہوا اور نتیجہ یہ ہوا کہ اختر کے اور اُس کے تعلقات کشیدہ ہو گئے اور پہلے تو اُس نے تمام معاملات غلط روشنی میں اختر کے بھائی کے سامنے پیش کر دیے جس سے اختر کی خانگی زندگی ناخوشگوار ہو گئی۔ دوسرے اُس نے میری بربادی پر کمر باندھ لی اور اپنا انتقام اس طرح لیا کہ ایک شب کے ابتدائی حصے میں جب میں اور اختر مکان پر نہیں تھے وہ آیا اور مکان کا مضبوط قفل توڑ کر مکان میں داخل ہو گیا اور میرے ٹرنک کا قفل بھی توڑا۔ تمام نقد اور زیور کی صندوقچی لیکر چلا گیا گیارہ بجے جب ہم واپس آئے تو میں نے تمام وقوعہ دیکھا اور اپنی تباہی پر رونے لگی۔ میرے جسم پر بہت معمولی زیور تھا۔ اختر نے بے انتہا ہمدردی کی اور حتی الامکان امداد کا وعدہ کیا مگر میں بذاتِ خود ایک ایسے نیک سیرت شخص کو جس کا تعلق میرے ہمراہ صرف پاک اور شریفانہ تھا تکلیف نہ دینا چاہتی تھی تمام رات پریشانی اور رنج و غم میں گزاری۔ مختلف منصوبے قایم کیے۔ میں جانتی تھی کہ پولیس سوائے اس کے کہ

میرے خفیہ رازوں کو طشت از بام کرے اور کچھ نہیں کر سکتی۔ آخر اسی صبر و شکر میں کئی دن گزر گئے۔ اختر کے بھائی کے زور دینے سے مالکِ مکان مکان خالی کرانے کے تقاضے کرنے لگا۔ آخر میں نے مجبور ہو کر اسی گنہگاری کی زندگی کو پھر اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا اور ایک دن خود باہر نکلکر دو سو روپے کا زیور فروخت کیا اور چاوڑی بازار دہلی میں ایک کمرہ لیکر رہنے لگی چند روز میں مشہور ہو گئی اور روزانہ تیس چالیس روپے گانے میں آنے لگے۔

اب تک میں وثوق کے ساتھ بھی اس رات کے چور کا نام نہ بتا سکتی تھی۔ آخر ایک دن رات کو چند خوش پوش خلیق گانا سننے کے لیے آئے اُن میں وہ آصف بھی تھا میں نے اُسے دیکھکر منہ پھیر لیا وہ مسکرایا اور خاموش بیٹھ گیا، کچھ دیر تک اُن لوگوں نے گانا سنا دو دو چار چار روپے دیے۔ آصف نے دس روپے کا نوٹ پیش کیا۔ اور میں نے لے لیا اس کے بعد یہ لوگ چلے گئے۔

دوسرے دن دوپہر کو میں آرام کر رہی تھی کہ "تُبھے" نے جو میرا ملازم تھا ایک شریف کے آنے کی اطلاع دی اور اختر نام بتایا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ کوٹھے پر آنے کے بعد میں نے اختر کا نام سنا۔ میں نے "تُبھے" کو ہدایت کی کہ اُنھیں آرام سے بٹھاؤ میں آتی ہوں میں نے ہاتھ منہ دھویا اور نیچے آ گئی۔ دیکھا تو آصف تنہا بیٹھا ہے مجھے بڑا غصہ آیا اور میں کبیدہ ہو کر ایک طرف کو بیٹھ گئی اُس نے ایک تبسم کے ساتھ میرا خیر مقدم کیا اور معمولی مزاج پرسی کے بعد اختر کی شکایات اور اپنی محبت کے اظہار کا دفتر کھول دیا میں نے اپنے زیورات کی چوری کا واقعہ اُسے سنایا اور وہ ایک مخصوص تبسم کے ساتھ سنتا رہا۔ میرے شکوک یقین میں تبدیل ہونے لگے اور مجھے ثابت ہو گیا کہ میرے زیورات کا چور سوائے اس خوش پوش سفلے کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اُس کا آخر میں یہ کہنا کہ "تمہارے تمام زیورات

میں ار سپر تم کو دے سکتا ہوں بشرطیکہ تم مجھ سے نکاح کر لو" یقیناً اقبال تھا جس نے الزام کا حصہ میں نے اشارتاً اُس پر قایم کیے تھے۔

تیرھواں باب

خوبصورت نوعمر جوان جب کسی طوائف کے کوٹھے پر جاتے ہیں تو آپنے حسن کے زعم میں یہ اُمید قایم کر لیتے ہیں کہ یہ معشوقہ ہمارے حسن کا شکار فوراً ہو جائے گی۔ فریب حسن میں آجائے گی مگر یہ بدنصیب اِس خیال کو قطعی نظر انداز کر دیتے ہیں کہ ایک طوائف کے پیشہ کا راز ہی فریب حسن کی کامیابی میں ہے اور جو سودا وہ خود دوسروں کو دھوکہ دیکر فروخت کرتی ہے خود اُس کی خریدار کس طرح ہو سکتی ہے۔ طوائف کے کوٹھے پر دولت کی نمائش کرکے وہ خود اپنی بربادی اور تباہی کو دعوت دیتے ہیں۔ بازاری عورت جب عصمت اور ایماں جیسی بے بہا دولت کو چند چاندی کے ٹکڑوں کے بدلے دے دیتی ہے تو سمجھنا چاہیے کہ اُس کی محبوب ترین دولت یہ چاندی کے چند ٹکڑے ہی ہیں، اس لیے وہ دولت کی اِس نمایش کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے اور اُن "تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل" کے حسن اور شباب کے پردے میں اپنے اغراض کی تکمیل کرتی ہے اگر یہ دولت رادے تھوڑی دیر کے لیے بھی یہ غور کریں کہ آخر اس مال زادی کو ہم سے محبت کیوں ہونے لگی ہے کیا ہم سے بہتر حسین، ہم سے بڑھکر دولتمند ہم سے اچھے محبت کرنے والے اسے آج تک ہم سے پیشتر نہیں ملے تو ایک طوائف کی محبت کی تمام قلعی کھل جائے۔

اول تو "آصف" کی شکل وصورت ہی اُس کے افعال کی طرح مکروہ تھی دوم اگر وہ خوبصورت بھی ہوتا تو کیا اُس چور اور دغاباز کے اعمال اس قابل

تھے کہ میں ایک لمحے کے لیے بھی اُسے اچھی نظر سے دیکھتی، مگر اس کے باوجود اس کی دلیری اور جرأت جو اُس کی کمینہ طبیعت کا تقاضہ تھا۔ ملاحظہ کیجیے کہ وہ اپنے عشق کا اظہار اور اپنی دولت کی نمائش سے نہ چوکا۔ اسپان کھاکر دس روپے تھالی میں رکھ دیے۔ میں بھی کوئی بچہ تو تھی ہی نہیں۔ مجھے اچھی طرح علم تھا کہ محنت اور جانفشانی سے حاصل کیا ہوا روپیہ ایک طوائف کی سرپرستی قبول کرنے سے عاری ہے۔ میں خوب جانتی تھی کہ یہ خوش پوش بدکار، جو بازاری عورتوں کو اپنی شان دکھلانے کے لیے دولت کو بیدریغ خرچ کرتے ہیں یہ روپیہ کس طرح حاصل کرتے ہیں۔ باپ دادا کی کمائی ہوئی دولت ماں اور خالہ کے صندوق سے چرائے ہوئے زیورات اور نقد روپیہ رشوت کی کمائی۔ شراب کا منافع۔ جوئے خانے کی آمدنی وغیرہ وغیرہ ایسے صیغے ہیں جن پر ایک طوائف کی آمدنی کا دارومدار ہے۔

ان تجربات کے بعد مجھے آصف کے پیش کردہ دس روپے جو حقیقت میں میری اپنی ملکیت تھے قبول کرنے سے کیوں انکار ہوتا۔ میں نے ظاہری الفاظ کے بعد یہ روپے اپنے پاندان میں داخل کر دیے اور ہر طرح اُس کی ہمت افزائی کی کہ وہ آتا جاتا رہے اُس کی آمد و رفت برابر جاری رہی، اُس کے ہمراہ چند بے تکلف دوست بھی آنے جانے لگے اور اُس کے ایک دوست کی زبانی مجھے معلوم ہوا کہ اُس نے اپنے مکان کے برابر ایک مکان سات آٹھ ہزار روپے کو خریدا ہے اس کے علاوہ اب وہ اُس قرض سے بھی سبکدوش ہو گیا جو اُس نے اپنی شادی کے موقع پر لیا تھا۔ اب اُس نے ایک شخص کی شرکت میں ایک دوکان بھی قائم کر لی تھی۔ غرض مجھے اپنے تمام روپے کا حساب مل گیا آخر میں نے ایک دن برسبیل تذکرہ اُسے اپنی جائداد کے سبز باغ دکھائے اور اُس سے کہا کہ اگر تم میرا تمام زیور مجھے دیدو

تو میں تم سے نکاح کر لوں گی وہ راضی ہو کر چلا گیا۔ مگر زیور تھا کہاں جو آتا۔ آصف بھی جاتا رہا۔ میں نے اُس کے دوستوں سے تمام ماجرا کہہ دیا، اور اُنہوں نے اُس کی ان حرکات پر ایسی تذلیل کی کہ وہ کم از کم اس پارٹی میں مُنہ دکھانے کے قابل نہ رہا۔

میری حالت اب کچھ سنبھل گئی تھی، مگر ایک دلی خار پیدا ہو کر نشو و نما پاتا رہا۔ مجھے اس حرام کی زندگی سے نفرت ہو چکی تھی اور میرا ایک ایک لمحہ کوفت اور کاہش میں گزرتا تھا۔ میری آمدنی کا ذریعہ گو صرف گانے پر تھا مگر پھر بھی کوئی نہ کوئی بدنصیب میرے درپئے آزار رہتا۔ کبھی پولیس والے اپنا رعب جماتے ہوئے آتے۔ کبھی انکم ٹیکس کلکٹر صاحب انکم ٹیکس بڑھانے کی دھمکیاں دیتے۔ میں اسی کشمکش میں مبتلا تھی اور رات دن اپنے مستقبل پر غور کرتی۔

ایک دن حسبِ معمول شام کو سیر کے لیے نکلی اور ابھی گھر میں واپس آئے مجھے چند لمحے ہی گزرے تھے کہ ایک عورت نہایت بوسیدہ کپڑوں میں ایک لکڑی ٹیکتی ہوئی بھیک مانگنے کی غرض سے کمرے پر چلی آئی۔ مجھے اُس کی حالت پر رحم آیا اور میں نے ایک اکنی اُس کے ہاتھ پر رکھ دی مگر وہ عورت بجائے اس کے کہ اپنے ہاتھ پر اکنی کو دیکھتی میرے چہرے کو ٹکٹکی باندھے دیکھتی رہی، میں نے بھی فطرتاً اُس کے چہرہ پر عمیق نگاہ ڈالی اور اُس کی آنکھوں میں مجھے ایک مخصوص انجذاب پیدا ہوتا معلوم ہوا۔ آخر اُس نے اس سکوت کو توڑا اور کہنے لگی "ہاں میں نے پہچان لیا ٹھیک وہی ہے" اس کے بعد وہ مڑ کر جانے لگی مگر میں نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اُسے روک لیا اور پوچھا "تم کون ہو" اور "مجھے کیسے جانتی ہو" اُس نے جانے کی کوشش کی مگر اُس کی کشمکش بیکار ثابت ہوئی۔ آخر اُس نے بتایا کہ "تم شمس النہار بیگم اور شاہ صاحب کی بیوی ہو اور میں ندرت

ہوں بدرو نام شکل میں گھبرا گئی، اور اُسے غور سے دیکھنے لگی، اُس کے تمام جسم کو آتشک کے زخموں نے سیاہ کر دیا تھا اور صرف ہڈیاں رہ گئی تھیں۔ مجھے اُس کی اس ناگفتہ بہ حالت کو دیکھکر بڑا صدمہ ہوا اور میں اُسے مکان کے بالائی حصہ پر لے گئی۔ اور اُس کی تمام سرگزشت سُننے کی خواہش ظاہر کی۔ مگر اُسکا توحش بدستور رہا اور اُس نے اپنا حال سُنانے سے قطعی انکار کر دیا اور جانے کی خواہش ظاہر کی مگر میں نے اُسے جانے نہ دیا اور اُسے اپنے مکان پر رہنے کے لیے مجبور کیا۔ اُسی وقت اپنے ٹرنک سے کپڑے نکالکر اُسے پہننے کو دیے۔ کھانا کھلایا اور ہر طرح اُس کی تسکین کی۔

چودھواں باب

خوراک کی عمدگی اور آرام کی امداد سے "بدرو" کی حالت دن بدن بہتر ہوتی گئی اور اب اس کی وحشت بھی کم ہو گئی تھی میری بازاری زندگی کے باوجود اُسے میرے نیک ہونے کا یقین ہو گیا وہ جانتی تھی کہ سوائے گانے کے اور میری آمدنی کے تمام ذرائع مسدود ہیں اور میں اُن سے متنفر۔ ایک دن وہ جوش عقیدت میں میرے قدموں پر گری اور میرے احسانات کا شکریہ اپنے آنسوؤں کی زبان سے ادا کرنے لگی میں نے اس کی تشفی کی اور اس معاملہ کو رفت گذشت کر دیا رات کو میں نے اسے تمام اپنی سرگذشت بے کم و کاست سُنا دی اسکا نتیجہ خاطر خواہ نکلا اور اُس نے بھی اپنے احوال کو بدیں الفاظ سُنانا شروع کیا۔

تمہارے جانے کے بعد چھ سات ماہ تک شاہ صاحب کی اور میری اچھی طرح بنی مگر اس کے بعد تو بات بات پر حد سے پیزار اور گالم گلوچ ہونے لگی میری زندگی دشوار ہو گئی اور میں اس گھر سے نکلنے کے لیے بیتاب رہتی مگر کوئی سبیل ایسی نہ ہوتی کہ مجھے

اس مصیبت سے نجات ملی آخر شاہ صاحب مجھے گھر پر چھوڑ کے اپنے دورے پر گئے اور کبھی چھ سات ماہ تک غیر حاضر رہے میرے اخراجات کے لیے وہ کبھی نہ کبھی کچھ بھیجدیا کرتے جب اس عرصے کے بعد وہ واپس آئے تو انکے ہمراہ ایک نوجوان عورت انکی بیوی بنکر گھر میں آگئی۔ اور مجھے پھر خادمہ کے فرائض انجام دینے پڑے ایک عرصہ اس طرح بھی گذر گیا۔ اور میں ہر طرح خوش تھی اس کے بعد شاہ صاحب کسی ضرورت سے ایسٹ آباد گئے اور وہاں کسی خوفناک جرم کے مجرم بنکر سات سال کے لیے جیل خانے بھیجدیے گئے نئی ملکہ صاحبہ کے کچھ رشتہ دار آئے اور نوکروں کو رخصت کرکے تمام گھر بار کا سامان لیکر وہ انکے ہمراہ چلدیں۔ میں بے خانماں ہوکر مکاری کی زندگی گذارنے لگی اور ان حالوں کو پہنچ گئی جن میں تم نے مجھے پایا۔

جو واقعات میرے ناظرین کی دلچسپی سے محروم ہیں انکو میں نے عمداً نظرانداز کردیا ہے سب سے بڑی اطلاع جو مجھے ملی وہ شاہ صاحب کا پتہ تھا بہت کچھ غور کرنیکے بعد میں نے اختر کے نام ایک خط لکھا۔ اور وہ بیچارہ ایک دن رات کو مارا مارا مجھے ملنے کے لیے آیا میں نے تمام واقعہ اسے سُنایا اس نے ایک خط ایسٹ آباد کے داروغہ جیل کے نام لکھا اور دریافت کیا کہ کیا اس نام کا کوئی شخص انکے جیل میں موجود ہے یا نہیں اور اگر ہے تو کیا اسکی بیوی کو اس سے ملنے کی اجازت مل سکتی ہے یا نہیں کافی انتظار کرنیکے بعد ایکدن اس خط کا جواب وصول ہوا اور میں اختر کو ہمراہ اپنے ساتھ لیکر ایسٹ آباد روانہ ہوگئی وہاں پہنچکر میلے پرانے کپڑے پہنے ایک برقعہ اوڑھا اور ایک وکیل کی معرفت ڈپٹی کمشنر کے سامنے پیش ہوئی ہر قسم کے سوالات کیے گئے اور بہزار دشواری دو گھنٹے ملنے کی اجازت ملی بہت سا روپیہ رشوت میں صرف کیا گیا اور ایکدن میں جیل کی ایک کوٹھری میں پہنچادی گئی شاہ صاحب کا تن و توش تحلیل ہوچکا تھا۔ پاؤں میں بیڑیاں پڑیں تھیں قید بامشقت تھی جرم زہر خورانی تھا مجھے دیکھکر آنکھوں میں آنسو بھر لائے میں بھی آبدیدہ ہوگئی بیٹھتے ہی اپنی غرض ظاہر کی اور طلاق نامہ کی تکمیل چاہی اس شرط پر میرا

اُنکا فیصلہ ہوا کہ میں سو روپیہ ماہوار انکے پاس بھیجدیا کروں تاکہ اُنکے جیل کے مصائب
میں تخفیف ہو سکے انہوں نے طلاق نامہ پر دستخط کر دیئے اور میری جائداد کے متعلق ایک
تحریر داروغہ کے نام لکھ کر دی اور بہت ایسی باتیں جو میرے لیے مفید ہو سکتی تھیں تمامیں
میرے ساتھ ہو جوے ایمانیاں انہوں نے کیں تھیں سب کی معافی مانگی اور سب پر پشیمانی ظاہر
کی۔ میری ننہ انہوں سے پوچھی میں نے بتائی میں نے شام کو دوبارہ آنے اور روپیہ ہمراہ لانیکا
وعدہ کیا اور بہزار دشواری کچھ زیورات فروخت کرکے روپیہ فراہم کیا اور کچھ پھل اور دیگر
سامان خورد و نوش مہیا کیا اور شام کو انسے ملنے کیلئے گئی اُنکے گھسانوں کا رویہ بدلا ہوا پایا اور تمام
سامان اور روپیہ ان تک بھیجا کر میں رخصت ہوئی اور راتکو ایسٹ آباد سے روانہ ہو کر دہلی کا رخ کیا

اختر نے اس تمام سفر میں نہایت شریفانہ برتاؤ کیا یہانتک کہ اپنے اخراجات آپ برداشت
کیے اور خود تکلیف اُٹھا کر مجھے آرام پہنچایا مجھے اُس سے محبت تو پہلے ہی ہو چکی تھی مگر اب
تو میں اپنے آپکو اُسکے عشق میں فنا ہوتے پانے لگی اور یقیناً اگر اسکی خودداری اور پاکباری کا
احترام نہوتا تو میں خود اس سے اپنی محبت کا راز کہدیتی وہ کبھی بھی اپنے تبسم سے آگے نہ بڑھا مجھے
علم تھا کہ اسے بھی مجھ سے محبت ہے مگر وہ اظہار پر قادر نہیں اُسکی ہر حرکت اُسکے جذبات
محبت کو ظاہر کرتی تھی مگر اسکی زبان نے کبھی اسکے دل کے راز کو افشا ہونے دیا میں
ہر طرح اسکے جذبات کو مشتعل کرتی مگر وہ ان سطحی ہستیوں میں نہ تھا کہ معمولی رنج یا مسرت کا
اظہار آسانی سے کردیتا اسکے تاثرات اتنے عمیق تھے کہ کسی کا اُن سے آشنا ہونا امر محال تھا
اول تو وہ بہت کم سخن تھا دوسرے اسکا رویہ اتنا ہمت شکن تھا کہ میں نادم ہو جاتی +

جب میں نے اپنی گمراہ زندگی سے تائب ہو کر نیک بننے کا اور دوسرے نکاح کا ارادہ ظاہر
کیا تب بھی وہ اسیطرح ساکت و صامت رہا مگر اسکے چہرے کے نشیب و فراز اور اسکی آنکھوں کی چمک
تجلی اسکے جذبات کی پردہ داری کی متحمل نہوئی میں نے اسکے دلکا راز اسکی آنکھوں میں پڑھ لیا اور
خاموش ہوگئی دہلی پہنچکر میں نے اپنی گمراہ زندگی کا خاتمہ کردیا اور چند ضروری چیزوں کے

علاوہ تمام سامان جس میں بقیہ زیور کپڑا اور ہر قسم کی چیزیں تھیں بدرو کے حوالے کرکے اور نکوکاری کی زندگی کی ہدایت کرکے میں سلیم پور روانہ ہوگئی ۔

پندرھواں باب

داروغہ صاحب کے لیے میری آمد مرگ ناگہانی سے کسی طرح کم نہ تھی وہ خواب و خیال جو وہ اپنی آئندہ زندگی کیلئے قائم کر چکے تھے حرف غلط کی طرح مٹتے نظر آئے میں نے گذشتہ پانچ سال کی حساب فہمی کا مطالبہ کیا۔ تمام انتظامات اپنے ہاتھ میں لیے داروغہ صاحب ہرا کر چلتے ہوئے اور دنیادار تھے مگر میں بھی زمانے کا سرد و گرم دیکھ چکی تھی اور فطرت انسانی سے ماہر ہو چکی تھی اُنکے فریب میں کیوں آنے لگی تھی جب میں نے حساب کتاب دیکھا تو ہزاروں روپیہ غائب بڑی بڑی رقمیں شاہ صاحب کے نام دکھائی گئیں تھیں۔

اخراجات کا اور آمدنی کا کوئی باقاعدہ حساب نہ تھا بہرحال عدالت کی دھمکیاں وغیرہ دینے کا یہ نتیجہ نکلا کہ داروغہ صاحب نے اپنی بیوی اور بچوں کو رحم کی درخواست کرنے کیلئے میرے پاس بھیجدیا۔ میں نے تین ہزار روپے کی رقم جو اسوقت داروغہ صاحب کے پاس موجود تھی قبول کر لی اور انھیں نہایت عزت اور احترام سے اُنکے وطن بھیجدیا۔ اور وہ کم از کم دس ہزار کا اثاثہ اپنے ہمراہ لے گئے ۔

میں نے تمام جائداد اپنے نام منتقل کرائی زمینوں اور گاؤں وغیرہ کا "داخل خارج" ہوگیا سرکش زمینداروں سے زمینوں کو خالی کرائے اور سرنو کرایہ نامہ تحریر و تبدیل کیے۔

ان تمام انتظامات میں پانچ چھ ماہ گذر گئے اس عرصہ میں میں نے اختر کو ایک دو خط لکھے اور انکا جواب بھی آیا "وہ" میرے پاس آنا چاہتی تھی مگر میں نے اسے باز رکھا میں کسی ایسی ہستی کو جو میری گذشتہ زندگی سے واقف تھی اپنے پاس رکھکر اپنے راز طشت از بام نہ کرنا چاہتی تھی ۔

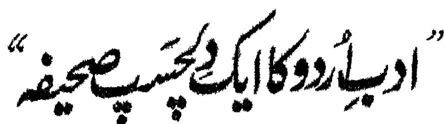
اس دفعہ میں نے نہایت شان و شوکت کیساتھ سفر کیا اور دہلی آئی ایک پردہ نشین خاتون بنکر ایک ہوٹل میں مقیم ہوئی چار پانچ ملازم میرے ہمراہ تھے میں نے اختر کو بلایا اور نصف کمرے میں پردہ کرکے خود پردے کے پیچھے بیٹھ گئی اور انسے صاف الفاظ میں کہدیا کہ اب میں توبہ کرکے پردہ نشین ہوگئی ہوں اور تمسے نکاح کرنا چاہتی ہوں چونکہ میں بذریعہ خط و کتابت انہیں اس امر سے آگاہ کرچکی تھی اسلیے ہمیں زیادہ دیر تک بحث کرنیکی ضرورت نہ پیش آئی اور میں تمام معاملات طے کرکے سلیم پور آگئی۔ میرے آنے کے کوئی دو ہفتہ بعد اختر کے بڑے بھائی صاحب کا خط مجھے ملا اور میں نے انہیں مدعو کیا ایکدن مجھکو سلیم پور کے اسٹیشن پر میرے ملازموں نے اختر اور انکے عزیزوں کا استقبال کیا اختر کے ہمراہ اسکے دو بھائی بڑی بھابی اور والدہ تھیں میں نے نہایت شاندار اہتمام سے انکی پذیرائی کی کئی روز تک یہ مہمان رہے اسکے بعد شادی کی تاریخ دو ماہ بعد کی قرار پائی اور یہ مہمان اپنے انتظامات مکمل کرنیکے لیے دوبارہ دہلی چلے گئے۔

میری اور اختر کی شادی کو ایکسال ہوگیا اور خدا کا شکر ہے کہ ہم دونوں کی زندگی نہایت آرام اور اطمینان سے بسر ہوتی ہے اختر کی خودداری ابتک قائم ہے اور وہ اپنا گذارہ باوجود میری بیشمار دولت کے نہایت سادہ طریقے میں کرتے ہیں انکی ایک شخصی جائداد آجتک دہلی میں محفوظ ہے اسکا کرایہ بھی انہیں ملتا ہے جب کبھی مجھے دہلی جانیکا موقعہ ملتا ہے تو انکے عزیز میرے ساتھ بڑے احترام اور عزت سے پیش آتے ہیں

عبدالرحیم دہلی میں ہے اور اپنی رنڈی کی روٹیوں پر گذران کرتا ہے آصف کی بابت بھی سنا ہے کہ نہایت تباہ حالت میں بسر ہوتی ہے مگر اختر کی شرافت باوجود آصف کی دست درازیوں کے گاہے گاہے امداد کرتی رہتی ہے

مجھے امید ہے کہ میرے ناظرین میری داستان عبرت سے سبق حاصل کرینگے اور میری جیسی ہزارہا گمراہ ہستیوں کو راہ راست پر لانیکی کوشش کرینگے مگر یہ جدوجہد ذاتی اغراض اور دلچسپیوں کی بنا پر نہ ہونی چاہئے آپ گمراہ ہوکر گمراہوں کی اصلاح نہیں کرسکتے اپنے صالحانہ اعمال سے گنہگاروں کی رہنمائی کیجیے۔ مذہب اخلاق کے مخصوص دائرے سے قدم نہ نکالیے اور پھر آپ دیکھیے گے کہ آپکے اعمال آپکی زبان سے زیادہ مؤثر پیرایہ میں گمراہی اور گناہگاری کو نقش باطل کی طرح پامال کردینگے۔ اب میں آپ سے رخصت ہوتی ہوں۔ خدا حافظ

اردوئے معلیٰ دہلی


"ادب اردو کا ایک دلچسپ صحیفہ"

"انساں کی باطنی دنیا کے جواہرات میں "شاعری" درخشندہ ترین جوہر ہے
جس کی چمک دمک ہمیشہ قائم رہتی ہے" (سوئنی)

"نظم" ابدی حقائق حیات کی تصویر ہے" (شیلی)

"شاعری" تمام علوم کا جوہر ہے" (کارلائل)

"کتابیں جوانی میں ذریعۂ نشوونما ہیں۔ پیری میں راحت۔ خوش حالی میں
زینت مصیبت میں پناہ و تسکین گھر کے اندر مسرت اور باہر تفریح" (سسرو)

"جس روز قیامت ہو۔ سمجھ لیجئے کہ یا تو دنیا کے کسی حصے میں کوئی عورت
محبت نہیں کر رہی ہو یا کسی شاعر نے کوئی شعر نہیں کہا ہو" (ساغر سیمابی)

قوموں کے عروج و زوال کی تصویر اُسکی "ادبیات" ہیں۔

طابع و ناشر
قربان علی بسمل

نگران
اکبر حیدری

(چندہ سالانہ مع محصولڈاک عہ)

قربان علی بسمل نے اپنے شاہجہانی پریس دہلی میں طبع کرا کے شائع کیا